علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

مختصر سوانح حیات

از

فقیر محمد ہونزائی

علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی (ق س)

مختصر سوانح حیات

از

فقیر محمد ہونزائی

شائع کردہ

المعہد للحکمۃ الروحانیۃ والعلم المنیر

www.monoreality.org
www.ismaililiterature.com
www.ismaililiterature.org

© 2021

ISBN 1-903440-77-7

انتساب

یہ کتابچہ ہماری عزیز بہن نسیم احمد ویرانی صاحبہ گرامی قدر جناب شکیل اسحاق صاحب کے نام پر ان کے پرخلوص برادرانہ سلوک اور تعاون کی قدردانی کے طور پر چھپوا رہی ہے۔ ربُّ العزت اس ہمیشہ رہنے والی نیکی کا اجر ان کو دونوں جہان میں عطا فرمائے۔ آمین یا ربَّ العالمین!

فقیرِ حقیر
مرکزِ علم و حکمت، لندن
۲۳ر جون ۲۰۲۱ء

فہرستِ مضامین

تمہید ۱
آپ کی جسمانی ولادت باسعادت ۹
ابتدائی زندگی اور تعلیم ۱۰
عسکری زندگی ۱۲
روحانی زندگی ۱۳
پہلی روحانی روشنی ۱۵
امتحانات کا آغاز ۲۰
تائیدِ خداوندی ۳۷
قائم شناسی پر زور ۳۸
رجوعِ مبارک ۳۹
حواشی ۴۲

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

تمہید: حضرتِ استادِ بزرگوار علاّمہ نصیرالدّین نصیؔر ہونزائیؒ نے اپنی مثالی پاکیزہ زندگی کے دوران کتاب "نورانی تالاب" پر ایک تعارف لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا تھا، جس کی تعمیل میں یہ حقیرانہ کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ بزرگانِ دین کی تحریرات وتقریرات کی بنیاد عین الیقین اور حق الیقین کے حقائق پر ہوتی ہے، اسلئے وہ نقد وتبصرہ سے بالاتر، عمل کیلئے ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان سے قطع نظر کرکے اس تعارف میں صرف ان کی مثالی پاکیزہ زندگی کے بعض پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، تاکہ ان کی علمی اور عرفانی مرتبت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

حضرتِ علاّمہ نصیرالدّین نصیؔر ہونزائیؒ دَورِ قیامت میں امامِ زمانؑ کے ایک بہت ہی بڑے علمی معجزہ تھے، اور دعوتِ حق میں جن عظیم بزرگانِ دین نے اپنے اپنے زمانے کے امامِ برحق کے تائیدی علم سے فیضیاب ہوکر اسکو دوسروں تک پہنچانے کی جان نثارانہ خدمات انجام دے کر عظمت وشہرت دوام پایا ہے، ان میں آپ کو ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں سے ایک خصوصی امتیاز حاصل رہا ہے۔ ظاہری لحاظ سے ان معنوں میں کہ گزشتہ بزرگانِ دین کو امامِ زمانؑ سے جو تائیدی علم ملتا تھا، اس کو موزون الفاظ میں بیان کرنے کیلئے علم وادب کے وسائل میسر تھے اور وہ ان سے آراستہ ہوتے تھے۔ لیکن علاّمہ بزرگوارؒ کا گرد وپیش ان سے یکسر خالی تھا۔ علم وادب کے وسائل کے فقدان کا اندازہ کرنے کیلئے یہ جاننا کافی ہے کہ علاّمہ

بزرگوارؒ کی ولادت سے صرف چار سال پہلے ۱۹۱۳ء میں حکومت کی طرف سے ہونزہ کے دارالحکومت میں صرف ایک پرائمری اسکول قائم ہوا تھا[1]۔ اسی پرائمری اسکول میں آپ کو بھی سولہ[۱۶] سال کی عمر میں صرف دس[۱۰] مہینے جانے کا موقع ملا تھا[2]۔ لیکن آج آپ کی تحریرات روحانی حقائق و معارف کے علاوہ ظاہری فلسفہ اور سائنس کے دقیق ترین اور مشکل ترین مضامین سے بھی اپنے اپنے موزون اصطلاحات کے ساتھ مزیّن ہیں، اور نظم و نثر میں صنائع و بدائع اور دیگر محاسن اس کمالِ مہارت و قدرت اور سہولت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ یہ باور کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے کہ یہ تحریرات اور نظمیں ایک ایسے شخص کی ہیں جس کو زندگی میں صرف دس[۱۰] مہینے ایک پرائمری اسکول میں جانے کا موقع ملا ہے۔

باطنی پہلو یہ ہے کہ جس طرح کرۂ ارض کے نصف کرۂ شمالی پر اسکی حرکت کی وجہ سے سورج کی روشنی اور حرارت، اپنی ذات میں ایک حال پر ہونے کے باوجود، انقلابِ شتوی (winter solstice) کے موقع پر گھٹتے گھٹتے اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہیں اور انقلابِ صیفی (summer solstice) کے موقع پر بڑھتے بڑھتے اپنے اوجِ کمال تک پہنچ جاتی ہیں، اسی طرح دینِ حق میں بھی اہلِ زمین پر أئمۂ طاہرین کے بشری جاموں کے ذریعے خداوندی نور کی ضَوفشانی میں دَوری تنزّل و ترقی یا دَورِ ستر اور دَورِ قیامت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، ہر چند کہ خدا کا نور بذاتہٖ کمی بیشی سے منزہ و مبرا ہے۔ یہ ضوفشانی دورِ ستر کے شروع میں کم سے کم اور دورِ قیامت کے آغاز میں انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔ ضوفشانی کا یہ مقدس کام جو تاویل اور نورانی ہدایت کی صورت میں ہے، امامِ زمانؑ براہِ راست خود بھی کرتے ہیں اور ان مریدوں کے ذریعے بھی، جن کو اس مقدس فریضے کیلئے منتخب کرتے ہیں۔ دورِ قیامت میں تاویل اپنی انتہا تک پہنچنے کے یہ معنی ہیں کہ تاویل کا حجاب نہ صرف تنزیل

ہے بلکہ خود تاویل کے اندر بھی حجابات ہوتے ہیں، جو وقت کی ضرورت کے لحاظ سے اُٹھائے جاتے رہتے ہیں (۷: ۵۲-۵۳)۔ اور جب تمام حجابات اُٹھائے جاتے ہیں تو اُس صورت میں تاویل کو تاویل مجردِ محض یا تاویل محضِ مجرد کہا جاتا ہے، "جس میں روحانیت و عقلانیت کے اصل ظہورات و معجزات کا تذکرہ جامۂ تمثیل اور حجابِ تشبیہ کے بغیر ہوتا ہے۔"[۳]

دینِ حق میں حضرت مولانا امام سلطان محمّد شاہ علیہ السّلام کے جامۂ بشریت سے دَورِ قیامت کا آغاز ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ نبوی میں جن اشراطِ قیامت کا ذکر آیا ہے، وہ سب تاویلی معنوں میں آپ کے جامۂ مبارک کے دوران واقع ہوئے ہیں اور آپؑ کی اَسّی[۸۰] سالہ عمرِ شریف ظاہری لحاظ سے بھی روزِ اوّل سے معجزات سے بھرپور رہی ہے۔ ۲ ر نومبر ۱۸۷۷ء کو بروز جمعہ جب آپؑ کی نورانی ولادت کی خوشخبری آپؑ کے جدّ امجد حضرت مولانا امام شاہ حسن علیؑ کو پہنچائی گئی تو آپؑ نے خدائی پروگرام کے مطابق آپ کی منفرد جلالت و عظمت کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا:

"Call him by the name Muhammad Sultan. He will be the Sultan of the world and outstanding events will take place during his time. He will be renowned throughout the world."

ترجمہ: "آپ کا نام محمّد سلطان رکھیں۔ آپ دنیا کے سلطان ہوں گے اور آپ کے زمانے میں غیر معمولی واقعات وقوع پذیر ہوں گے۔ آپ پوری دنیا میں مشہور ہوں گے۔"[۴]

آپؑ ۱۷ر اگست ۱۸۸۵ء میں سات سال اور ساڑھے نو مہینے کی عمرِ شریف میں تختِ امامت پر جلوہ افروز ہوئے[۵] اور دو ہفتے کے بعد یکم ستمبر ۱۸۸۵ء کو قیامت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ آخر زمانہ ہے۔ اس میں جو ایماندار ہیں ان کو اپنے زمانے کے امام کی قدرت اور کرامات نظر آئیں گے۔ لیکن جو ادھورے دل والے ہیں وہ ظاہری کرامات دیکھیں گے، پھر بھی ان کو جھوٹ سمجھیں گے۔ جو لوگ پیغمبر اور امام کی قدرت کو نہیں مانتے، ان کی مثال اندھے کی طرح ہے، جس کے نزدیک آئینہ اور ٹھیکری دونوں برابر ہیں۔"[۶]

امام عالی مقام نے اُن اسرار و حقائق کو جو دَورِ قیامت کیلئے پوشیدہ رکھے گئے تھے، اجمالاً برملا بیان فرمایا اور تفصیل کے لئے خصوصی تائید سے نواز کر اپنے ایک عاشقِ صادق مرید کو تیار کیا، اُن کو اسمِ اعظم سے نوازا، اس کورس میں اُن کو کامیابی عطا فرمائی، قیامت کے سخت ترین تجربے سے گزار کر ابوابِ علم و معرفت اُن پر کھول دئے، اور ساتھ ساتھ اس کام میں امامِ زمانؑ نے جماعت سے بھی بہت بڑا امتحان لیا۔ کیونکہ اس مرید کو ایک ایسی جگہ اور ایک ایسی جماعت سے منتخب کیا، جو علم و معرفت میں بہت پیچھے تھی۔ اس مخصوص عنایت کے بارے میں مولانا سلطان محمّد شاہؑ نے اس مقدس فرمان میں پیشگوئی فرمائی تھی جو میرِ ہونزہ میر محمّد غزان خانِ ثانی کی درخواست پر ۱۰؍ مارچ ۱۹۴۰ء کو بمبئی ریڈیو سے چترال، ہونزہ، گلگت اور بدخشان کی جماعتوں کے لئے ارشاد فرمایا تھا:

"تمام جماعۂ شمالی سرحداتِ ہندوستان مثلاً چترال، ہونزہ، گلگت و بدخشان، تمام دوستداران و مخلصان را بدعائے خیر یاد میکنم، یقین دارید کہ نُورِ محبّت و لطفِ من بر سائرِ جماعۂ ہونزہ مثلِ خورشید خواہد رسید۔ مرد و زن، صغیر و کبیر، برنا و پیر، ہمہ فرزندان رُوحانئ من ہستید، ہرگز از شما فراموش نیستم و نخواہم کرد، ہم در دُنیا و ہم در آخرت۔"[۷]

ترجمہ: "شمالی سرحداتِ ہندوستان کی تمام جماعتوں مثلاً چترال، ہونزہ، گلگت اور بدخشان کے تمام دوستداروں اور اخلاص مندوں کو نیک دعائیں یاد کرتا ہوں۔ یقین رکھو کہ میری محبت و عنایت کا نور ہونزہ کی پوری جماعت پر سورج کی طرح طلوع ہو جائے گا۔ مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، جوان اور بوڑھے سب میرے روحانی فرزند ہیں۔ مَیں تم کو ہرگز فراموش نہیں کرتا اور نہ کبھی فراموش کروں گا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی"۔

نیز امام عالی مقام نے اپنی کتاب میمائرس (Memoirs) میں بھی چین کی جماعت کے ذکر کے ضمن میں اس مخصوص عنایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ جس وقت امام عالی مقام یہ کتاب لکھ رہے تھے اس وقت آپ کی کوششوں سے چین کی جماعت میں انقلاب آیا تھا۔ آپ کی کوششوں سے پہلی بار جماعت خانوں اور دینی مدرسوں کی تعمیر ہوئی تھی اور سرکاری طور پر اسماعیلی تشخص کو تسلیم کیا گیا تھا اور آپ خود دَورِ قیامت کی عظیم قیامت سے مثالی استقامت کے ساتھ گزر رہے تھے۔ امامِ عالی مقام لکھتے ہیں:

".....they are firm and devoted Ismailis with a great deal of self-confidence and the feeling that they constitute by far the most important Ismaili community in the whole world."

ترجمہ: "وہ بہت راسخ العقیدہ اور مخلص اسماعیلی ہیں۔ اُن میں بڑی خوداعتمادی ہے اور اُنہیں اس بات کا پوری طرح احساس ہے کہ وہ دنیا بھر میں اسماعیلی جماعت کی سب سے اہم برادری ہیں۔" [۸]

نیز ۱۹۶۰ء میں جب مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے شمالی علاقہ جات کی جماعتوں کو تاریخ میں پہلی مرتبہ دیدارِ اقدس سے نوازا، تو

حیدرآباد ہونزہ کی سعادت مند جماعت کو دیدار دینے کے موقع پر اشارۃً فرمایا: "مَیں نے ۳۷ ممالک کا دَورہ کیا مگر یہاں مَیں نے ایک عجیب چیز دیکھی جو کہیں بھی نہیں ہے۔"[۹] اِس نورانی موقع پر علاّمہ بزرگوار جماعت کے موکھی صاحب کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔

ان اشارتی ارشادات کے ساتھ ۲۶، جنوری ۲۰۰۵ء کو واشنگٹن ڈی۔سی میں مولانا حاضر امام کو ونسنٹ سکلی اوارڈ پیش کرنے کے دوران ایک ایسا موقع بھی آیا کہ خداوند نے آپ کے مرتبے کے بارے میں برملا بھی ارشاد فرمایا۔ فنکشن کے اختتام پر کچھ جماعتی لیڈر مولا سے کچھ ہدایات لے رہے تھے، اُس موقع پر جنوب مغربی امریکہ کے سابق صدر جناب صداقنبر صاحب نے ایک نازک معاملے کے سلسلے میں خداوند کے حضور میں آپ کا نام لیا تو خداوند نے فرمایا:

"No institution is an intermediary between him and me"

(ترجمہ: ان کے اور ہمارے درمیان کوئی ادارہ واسطہ نہیں ہے)۔[۱۰]

ان مقدس ارشادات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کا علم تائیدی ہے جو بلاواسطہ امامِ زمان علیہ السّلام سے آپ کو مل رہا ہے اور جو ہر شک و شبہ سے پاک و منزہ ہے۔

چنانچہ یہ مومنِ مویّد تائیدی علم کے خزائن سے مالا مال ہو کر جب علمِ قیامت کو نظم اور نثر میں بیان کرنے لگے تو جماعت میں جہاں ایک طرف تاویلِ مجرّدِ محض سے عقلی انقلاب برپا ہونے لگا، تو دوسری طرف تزکیۂ نفس کیلئے ان کی گریہ وزاری اور مناجاتوں سے روحانی زلزلوں کا طوفان شروع ہوگیا۔ جماعت کی توجّہ ذوق و شوق کے ساتھ آپ کی طرف ہونے لگی۔ بہت سے حضرات کو حیرت ہونے لگی۔ اور جن کے پاس دنیوی یا دینی اقتدار تھا وہ آپ کو اپنے لئے خطرناک محسوس کرنے

لگے اور ان کے کام میں رُکاوٹیں ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور جن کے پاس دینی علم کا کچھ شُد بُد تھا، وہ ان کا مقابلہ کرنے لگے، لیکن جب احساس ہوا کہ مقابلہ ممکن نہیں تو اِن کے علم اور مرتبے کو داغدار بنانے کیلئے من گھڑت افواہوں کا سلسلہ شروع کیا، اِنکی کتابوں کے ساتھ گستاخی کی گئی، اِنکو اور اِنکے شاگردوں کو جسمانی اور معاشی نقصان بھی پہنچایا گیا اور پہنچایا جا رہا ہے بلکہ جان لینے کی سازشیں تک ہوئی ہیں۔ لیکن جہاں "اِحۡدَی الۡحُسۡنَیَیۡنِ" (۹:۵۲) کی تاویل بتائی جاتی ہے، وہاں شر بھی خیر میں بدل جاتا ہے، اس لئے آپ کا کام رُکاوٹوں کے باوجود اپنی مثالی پاکیزہ زندگی نیز رجوعِ مبارک کے بعد بھی امامِ زمان کی غیبی و لاریبی تائید سے آگے سے آگے بڑھتا گیا اور بڑھتا جا رہا ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰی مَنِّهٖ وَاِحۡسَانِهٖ۔

یہ مومنِ مسعود و محسود ہیں حضرتِ علّامہ نصیرالدّین نصیؔر ہونزائیؒ، جن کے ذریعے زمانے کے امام نے اتنا عظیم معجزہ کیا۔ چنانچہ حضرت مولانا امام سلطان محمّد شاہ علیہ الصّلواۃ والسّلام نے جو اَسرار و حقائق اجمالی صورت میں بیان فرمایا تھا، انہوں نے زندگی بھر اپنی کتابوں میں ان کی تفصیل جاری رکھی۔ چونکہ ان کتابوں میں اکتسابی علم نہیں بلکہ امام زمان کے اپنے کائناتی پروگرام کے مطابق تائیدی علم یا تاویلِ مجرّدِ محض ہے، اس لئے ان کتابوں میں نہ صرف زمانۂ حاضرہ کے پیدا شدہ بلکہ مستقبل میں بھی پیدا ہونے والے مسائل کے جوابات بھی ہیں[11]۔ یہی تائیدی علم یا تاویلِ مجرّدِ محض ہے جو ان کے امتیاز کا باطنی پہلو ہے کہ امامِ زمانؑ نے ان کے ذریعے قیامت کے وہ اسرار و حقائق فاش کرائے، جن کا ادوارِ ستر میں شدّت کے ساتھ انتظار ہوتا رہا تھا، بلکہ حقیقت میں یہی باطنی پہلو ہی تھا جو ظاہری امتیاز کا بھی باعث تھا، یعنی جب کسی مومنِ مخلص کو امامِ زمان کی نورانی تائید یا تاویلِ مجرّدِ محض نصیب ہوتی ہے تو دنیوی علوم کے دروازے بغیر اکتسابی محنت کے خود بخود کشادہ ہو جاتے ہیں۔

آپ بزرگوار کا اپنا شعر ہے:

نقطۂ آغازِ قرآن نیک بِشناس پس بیاب
علم وحکمت از الف تا یا ورای اکتساب[12]

ترجمہ: قرآن کے آغاز کا نقطہ اچھی طرح سے پہچان اور علم وحکمت کو"الف" سے لے کر"یا" تک یعنی شروع سے لے کر آخر تک بغیر اکتساب کے حاصل کر۔ یہاں نقطۂ آغاز قرآن سے مراد مولانا علیؑ ہیں کیونکہ آپؑ ہی نے فرمایا ہے:"اَنَا نُقْطَۃُ بَاءِ بِسْمِ اللّٰہ"(مَیں بِسْمِ اللّٰہ کی بَاء کا نقطہ ہوں)[13] اور ہر زمانے کا امامِ برحقؑ ہے، اس لئے کہ وہ حاملِ نُورِ علیؑ ہے۔

اب دانشمند مومنین کیلئے ضروری ہے کہ اپنے امامِ زمانؑ کی قدرتِ کاملہ پر یقینِ کامل رکھیں کہ اس کی نظرِ رحمت سے کس طرح ناممکن چیزیں ممکن ہو جاتی ہیں اور اپنے مشکل سے مشکل سوالات کے منطقی استدلال اور آفاق وانفس کے شواہد کے ساتھ جوابات کیلئے تعصب اور استکبار کو ترک کر کے اخلاص ومحبت کے ساتھ ان کتابوں سے فائدہ اُٹھائیں، نہیں تو امامِ زمان نے اپنا مقدس علم جو اپنے ایک عاجز اور مخلص مرید کے ساتھ بھیجا ہے،[14] اس کیلئے ناشکری کے نتیجے میں اپنے مقدس دین کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہونے کا خدشہ ہے، کیونکہ یہ مقدس علم ایک عاجز مرید کا نہیں بلکہ امام زمانؑ کا ہے، جس کا بارہا علّامہ بزرگوارؒ نے خود اظہار فرمایا ہے کہ یہ علم میرے مولا کی امانت ہے، میرا خاندانی نہیں، کیونکہ اگر یہ علم خاندانی ہوتا تو میرے بھائیوں کو بھی اس کا حصّہ مل جاتا۔[15] اس تمہید کے ساتھ آن بزرگوارؒ کی مختصر سوانح حیات ذیل میں پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

سوانح حیات

آپ کی جسمانی ولادت باسعادت :

حضرتِ علّامہ بزرگوار (قس) ریاستِ ہونزہ کے قریۂ حیدرآباد کے ایک ایسے خاندان کے چشم و چراغ رہے ہیں کہ جس نے الگ الگ وقتوں میں ریاست کے وزارتی امور سرانجام دینے کے ساتھ[16] دعوتِ حق کی خدمت کی سعادت بھی حاصل کی ہے۔ چنانچہ آپ (قس) کے جدِّ گرامی جناب محمد رفیع ابنِ فولاد بیگ اور آپ (قس) کے والدِ بزرگوار جناب حُبِّ علی ابنِ محمد رفیع دونوں اپنے اپنے وقت میں حضرت پیر شہزادہ لیث اور اُن کے فرزند حضرت پیر شاہ ابوالمعانی کی طرف سے خلیفہ کے عہدے پر فائز تھے[17]۔ آپ (قس) کی ولادتِ باسعادت ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء میں ۱۵ ارمئی کے لگ بھگ ہوئی[18]۔ جسطرح بعض غیر معمولی صفاتِ عالیہ کے حامل بزرگانِ دین کی ولادت کے موقع پر کرامات دیکھے گئے ہیں، آپ (قس) کی ولادت کے موقع پر بھی خاندان میں یہ مشہور ہے کہ آپ (قس) کی والدۂ ماجدہ نے آپ (قس) کی ولادت کے چند لمحے پہلے گھر کی شہتیر پر ایک پھول دیکھا جو ولادت کے فوراً بعد روشن ہوا[19]۔ آپ (قس) کا نام حصولِ برکت کی نیت سے پیر شاہ پَرتَوِ شاہ کے نام پر پَرتَوِ شاہ رکھا گیا۔ شاہ اسماعیلی مذہب میں امام کو کہتے ہیں، اس لئے اس کے معنی ہوتے ہیں "عکسِ نورِ امام"۔ آپ نے اپنا قلمی نام نصیرالدّین اور تخلص "نصِیؔر" اختیار کیا ہے، اور اسی نام اور تخلص سے ادبی اور علمی حلقوں میں مشہور ہیں۔

ابتدائی زندگی اور تعلیم: جس زمانے میں علّامہ بزرگوارؒ اِس عالمِ رنگ و بو میں آئے اُس وقت اس علاقے میں باقاعدہ حصولِ علم کے ذرائع کا کیسا فقدان تھا، اِس کا ذکر قبلاً ہو چکا ہے۔ مزید روشنی ڈالتے ہوئے مفید انٹرویو میں بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء میں حضرتِ مولانا امام سلطان محمّد شاہ صلوات اللہ علیہ کی طرف سے ہر گاؤں میں ایک مکتب قائم ہوا جس میں مجھے بھی بھیجا گیا۔ لیکن افسوس کہ تھم (راجہ) کی عدم دلچسپی کے سبب وہ سارے مکتب ختم ہو گئے اور عمرِ گرانمایہ کے کئی سال حصولِ علم کے بغیر ضائع ہو گئے۔ اُس مکتب کے اردو قاعدے میں میرے لئے کتنی مقناطیسیّت اور دلکشی تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں عزیز قاعدے کو اپنے پاس رکھتا تھا اور چند مہینوں کے بعد کوئی خواندہ شخص آتا تو اس سے کچھ الفاظ کا درس لیتا تھا۔ کافی سالوں کے بعد میں خود درخواست کر کے والد صاحب سے قاعدۂ بغدادیہ کا درس لینے لگا۔ والد صاحب ہر سبق کے چند ابتدائی الفاظ بتا دیتے تھے اور باقی بڑی آسانی سے مَیں خود پڑھ لیتا تھا۔ یہ دیکھ کر پدرِ بزرگوار بے حد خوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح میں نے ان سے قرآن پاک کا ایک حصّہ بھی پڑھ لیا اور علم کی بہت سی ابتدائی باتیں زبانی طور پر سیکھ لیں۔ میرے قبلہ گاہ حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کے پُرحکمت قصّوں میں سے چیدہ چیدہ جواہر پارے سنایا کرتے تھے۔ وہ مذہبی قسم کی فارسی نظمیں ترنم سے پڑھا کرتے تھے۔ میری والدۂ محترمہ اگرچہ حرف شناس تو نہیں تھیں، لیکن آپ میرے والدِ محترم کے ساتھ ساتھ ہر اس فارسی نظم کو بڑی مہارت سے پڑھتی ہوئی ہمنوائی کرتی تھیں، جو امامِ زمان کی تعریف و توصیف میں ہوتی تھی، اور میں ہمیشہ غور سے سنتا رہتا اور ہمنوا بھی ہوتا تھا۔ اِس میں میرے لئے ایک ساتھ تین خزانے موجود ہوتے تھے: زبان، علم اور دینی محبت۔[۲۰]

تعلیم کے لئے یہ جنون اور ولولہ جاری رہا لیکن عرصے تک باقاعدہ تعلیم کا کوئی موقع ہاتھ نہیں آیا۔ یہاں تک کہ میں سولہ سال کا جوان ہوًا۔ جوان ہونے کے بعد میرے ایک جانی دوست حبِّ علی ابنِ کلب علی نے مجھے یہ نیک مشورہ دیا کہ میں گورنمنٹ پرائمری اسکول بلتت جاؤں۔ میں نے عرض کیا کہ میں اب جوان ہو چکا ہوں مجھے کس جماعت میں داخلہ ملے گا۔ اگر مجھے چھوٹی کلاس میں بٹھایا گیا تو لڑکے میرے قد و قامت اور کلاس کا موازنہ کرکے مذاق اُڑائیں گے اور مجھے شرمانا پڑے گا۔ انہوں نے کہا کہ ماسٹر نجات صاحب بڑے قابل اور بیحد شریف انسان ہیں، ان کی نگرانی میں آپ کو ذرا بھی کوئی ذہنی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہم دونوں اسکول گئے اور ماسٹر صاحب نے جو بڑے مردم شناس تھے، بڑی شفقت کے ساتھ درجۂ سوم میں بٹھا دیا اور تقریباً چھ مہینے کے بعد درجۂ چہارم میں بڑھا دیا۔ اس خصوصی مہربانی کی شاید تین وجہیں ہوسکتی ہیں: اوّل یہ کہ ہمارے مدرس بڑے مہربان اور قدردان تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ میری عمر کچھ بڑی تھی۔ اور تیسری وجہ یہ کہ میرا ذہن علم کے میدان میں بڑی تیزی سے کام کرتا تھا۔[21]

علّامہ بزرگوار کی باقاعدہ سکول کی تعلیم یہی کچھ تھی۔ لیکن آپ نے ذاتی طور پر کتب بینی کے شوق کو جاری رکھا اور اس کے ساتھ شعر گوئی بھی کرتے رہے۔ شوقِ مطالعہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ ہمارے طالبِ علمی کے زمانے میں کوئی کتاب انتہائی مشکل سے ملتی تھی، تاہم میں نے بڑی جد و جہد سے فارسی کے علاوہ اردو اور انگریزی لغات بھی رکھ لی تھیں اور اشتیاقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ کتاب تو کتاب، مَیں ہر ایسی تحریر کو دقتِ نظر سے دیکھتا اور پڑھتا تھا، جو کسی بھی چیز پر لکھی ہوئی ہو۔ مثلاً کوئی ڈبا، بوتل، پیکٹ، ٹین، سائن بورڈ، کَتَبہ وغیرہ وغیرہ۔[22]

عسکری زندگی : بزرگوارؒ مفید انٹرویو کے مطابق علم کے لئے اس شدّت اشتیاق اور ولولہ کیساتھ ۸؍اپریل ۱۹۳۹ء کو گلگت سکاؤٹس میں بحیثیت سپاہی بھرتی ہو گئے۔ جہاں فرصت کے اوقات میں کتب بینی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کی مشق کو بھی جاری رکھا اور ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں فوجی بارک (Barrack) گلگت میں اولین مکمل بر شسکی نظم لکھی، جس کا مطلع ہے :

حاضر امامہ عشقہ فُوَن جا اَسر بَلی

حاضر امام جا گالہ مَلیم جا اسر بِلِی

ترجمہ : حاضر امام کے عشق کی ایک آگ میرے دل میں لگ رہی ہے، حاضر امام میرے زخموں کا مرہم اور میرے دردِ دل کا درمان ہے۔[۲۳]

فرماتے ہیں کہ اُس وقت گلگت اسکاؤٹس میں اسماعیلیوں کی بہت بڑی تعداد تھی، حوالدار تحویل شاہ صاحب اور حوالدار حسن علی صاحب مولا کے عاشقوں میں سے تھے اور ان کی آواز بھی مثالی تھی۔ انہوں نے اس نظم کو مجھ سے طلب کر کے خوب ترنم سے پڑھا اور مولا کا معجزہ ہوًا کہ لوگ حیرت زدہ ہو گئے اور جگہ جگہ سے فرمائش ہو گئی کہ یہ نظم مجھے لکھ کر دو۔ مَیں خود حیران ہو گیا۔ اُس زمانے میں کوئی فوٹو اسٹیٹ مشین کہاں تھی؟ پس مَیں نے کچھ عرصے تک عاجز آ کر اپنی نظموں کو مخفی رکھا اور جب ایک کتاب نظموں کی تیار ہوئی تو مولانا حاضر امام کے حضور میں بغرضِ دعا ایک تارِ برقی بھیجا جسکا جواب مولا نے مرحمت فرمایا ہے۔ وہ فرمانِ پاک دیوانِ نصیری کے آغاز میں موجود ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ سکاؤٹس کی زندگی میں مجھے قرار نہیں آتا تھا اور ایک بے آواز کیفیت میں میرا ضمیر مجھ سے کہتا تھا کہ چلو اب اس منزل کو چھوڑ کر آگے جانا ہے۔ پس یکم ستمبر ۱۹۴۳ء کو وہاں سے مستعفی ہو کر گھر گیا۔ اس کے بعد مَیں سری نگر

(کشمیر) گیا اور ۵/اکتوبر ۱۹۴۳ء کو انڈین آرمی میں بھرتی ہوگیا۔ وہاں سے پہلے مجھے جہلم اور پھر دہلی بھیجا گیا۔ مگر میری بیقراری جوں کی توں باقی رہی۔ پس وہاں سے بھی اپنی مرضی سے ۷/فروری ۱۹۴۶ء کو ڈسچارج ہوکر بمبئی چلا گیا، جہاں میرے محبوبِ جان کی ڈائمنڈ جوبلی جو بروز اتوار ۱۰/مارچ ۱۹۴۶ء کو منعقد ہونے والی تھی، کی تقریبات کی تیاریاں ہورہی تھیں۔[۲۴]

روحانی زندگی: علّامہ بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ کسی فرشتہ صفت بزرگ نے بہت پہلے مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ دیکھو اگر تم کو عبادت، بندگی، یادِ خدا، روحانیت، علم اور حکمت عزیز ہے اور تم اس طریق پر کچھ ترقی کرنا چاہتے ہو تو سورۂ مُزَّمِّل کے حکم کے عین مطابق شب خیزی کا عمل شروع کرو۔ مگر ہاں، اس کیلئے کسی مرشدِ کامل سے کوئی اسمِ اکبر یا وِرد و وظیفہ وغیرہ حاصل کرنا ضروری ہے۔[۲۵]

اس لحاظ ۱۹۴۶ء کا سال اور شہر بمبئی دونوں علّامہ بزرگوارؒ کی روحانی زندگی میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اسلئے کہ اسی سال بمبئی میں بمقامِ حسن آباد زیارت زمانے کے امام نور مولانا امام سلطان محمد شاہ الحسینی علیہ الصّلواۃ والسّلام نے آپ کو اسمِ اعظم عطا فرمایا اور خصوصی عبادت کی ہدایت فرمائی، جس کے لئے شدید تڑپ عرصۂ دراز سے آپ کے دل و دماغ میں جاگزین تھی۔

بزرگوارؒ لکھتے ہیں کہ جیسے ہی آپ بمبئی پہنچے تو معلوم ہوا کہ امام زمان پونا میں جماعت کو دیدارِ مقدس عطا کرنے والے ہیں، تو آپ چار دوسرے ہونزائیوں کیساتھ بمبئی سے سیدھا پونا پہنچے، پونا میں مولائے پاک نے اپنے مبارک ظاہری دیدار سے نوازا اور آپ کو پہلی مرتبہ روحانی زلزلے کا تجربہ ہوا، جیسا کہ فرماتے ہیں:

اِن مَظھرِ حق عرشِ خدا دِینے شہنشا
جَار جَلوۂ اوّل غَنُم لو زلزلاؔ دیمی

ترجمہ: جب مَیں نے اس مظہرِ حق، عرشِ الٰہی اور شہنشاہِ دین کے جلوۂ اوّل کو دیکھا تو یقیناً مَیں نے محسوس کیا کہ اس کے جلال کی وجہ سے بھونچال آرہا ہے۔[۲۶]

بزرگوارؒ لکھتے ہیں کہ ہم پونا سے بمبئی واپس آگئے۔ مجھے اور کاکونگاہ شاہ کو بیت الخیال کے اذن و دعا کیلئے بارگاہِ اقدس حضرتِ پاک مولا میں پیش ہونا تھا۔ ایک ایرانی موکھی کی سفارش سے ہم دونوں کے نام آگے گئے۔ حسن آباد زیارت میں نور کے دونوں دریاؤں (یعنی حضرتِ مولانا امام سلطان محمد شاہؑ اور حضرتِ شہزادہ علی سلمانؑ) کا سنگم جلوہ فرما تھا۔ نظرِ رحمت سے دیکھ کر فرمایا: "تم دونوں میرے بنگلے میں آؤ۔" ہم دوسرے دن مولا کے بنگلے کے دروازے پر گئے اور مولا کا حکم اہلکار کو بتایا تو انہوں نے ہماری شکل اور لباس کو دیکھا اور مولا سے پوچھے بغیر یہ کہتے ہوئے کہ مولا فارغ نہیں ہمیں واپس کیا۔ اسی پر میرا یہ پُر حکمت شعر ہے:

جالو قُذ نوسل اِنے ھگے افسرے ایاؔ سرکم
مُوٓ اِن یکلُم تکمگے کا رُوے شُوقاؔ دیمی

ترجمہ: میرے پھٹے پرانے کپڑوں کو دیکھ کر محبوبِ جان کے دربان افسر نے مجھے ان کے حضور جانے نہیں دیا تھا مگر یہ بات میرے بادشاہ کو اچھی نہیں لگی، لہٰذا اب انہوں نے ازراہِ عنایت مجھے کئی تمغوں کے ساتھ ایک روحانی چوغہ بھیجا ہے۔[۲۷]

ڈائمنڈ جوبلی کے سال (۱۹۴۶ء) امامِ عالیمقامؑ کی تشریف مبارک چار مہینے تک بمبئی میں رہی۔ اسی دوران بزرگوارؒ بھی بمبئی ہی میں قیام پذیر رہے۔ اسی یادگار

زمانے سے متعلق "ڈائمنڈ جوبلی (۱۹۴۶ء) کی رنگین و پُر بہار یادیں" کے نام سے آپ کی دو ولولہ خیز اور وجد آور نظمیں ہیں، جن کے مطلع حسبِ ذیل ہیں:

جشنِ ڈائمنڈ جوبلی کا ماہِ انور کون ہے ؟
جسکو ہم ہیروں میں تولیں گے وہ دلبر کون ہے ؟[۲۸]

جس گھڑی شاہ علی جانبِ میدان آیا
میرا دل کہنے لگا دیکھ کہ جانان آیا[۲۹]

۱۹۴۶ء ہمہ گیر و ہمہ رس رحمتوں اور کرامتوں کا سال تھا، چنانچہ ہونزا میں بھی تقریباً ہر گاؤں میں یکم اگست ۱۹۴۶ء سے ڈائمنڈ جوبلی اسکول کھل گئے۔ اسی دوران علّامہ بزرگوارؒ بھی وطن واپس لوٹے اور اپنے گاؤں حیدر آباد میں ماسٹر مقرر ہوئے۔ بزرگوارؒ کے منظوم کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت بُرُشسکی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی مکمل عروضی شرائط کے ساتھ شعر کہتے تھے۔[۳۰]

پہلی روحانی روشنی:

بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں شمالی علاقہ جات کے لیڈروں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا کر کراچی بھیجا تاکہ میں مولانا حاضر امام کے اسٹیٹ ایجنٹ کو جماعت کا مالِ واجبات پہنچا دوں۔ ۱۹۴۶ء میں امامِ عالیمقامؑ سے اسمِ اعظم عطا ہونے کے باوجود ۱۹۴۸ء تک مجھے کوئی خاص روحانی ترقی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں غیرتِ ایمانی جاگ گئی اور چالیس دن تک سخت ریاضت کے ساتھ اعتکاف کیا اور چالیس دن کے بعد کھارادر کے پرانے جماعت خانے میں اسمِ اعظم کی ابتدائی روحانی روشنی نظر آئی۔ گوکہ یہ شروعات کی آزمائشی روشنی تھی، تاہم مجھے اس عجیب و غریب اندرونی مشاہدے سے بیحد مسرت و شادمانی ہونے لگی۔ یہ روشنی اپنی

ضیاپاشیوں کے ساتھ نہ صرف جاری رہی بلکہ اسمیں روزافزون ترقی ہوتی رہی۔[۳۱]

بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں اسی حالت سے گزر رہا تھا کہ مسگار (ہونزا) سے جناب فتح علی خان صاحب بھی کسی کام سے کراچی آئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: آئیے! آپ میری مدد کریں، میری مذہبی معلومات بہت محدود ہیں۔ ہم دونوں جاکران شاءاللہ سریقول اور یارقند کی اپنی جماعتوں کیلئے جماعتخانوں کی تعمیر اور چھوٹے چھوٹے دینی مدرسوں کے قیام کے واسطے جدوجہد کریں گے۔ یہ کام وہاں کے موروثی موکھی حضرات کی شرکتِ عمل ہی سے ممکن ہے، اور سب سے پہلے توہمیں حضرتِ امام عالیمقامؑ کے حضور سے اس کی اجازت لینی ہوگی۔ میں نے کہا کہ ارادہ بڑا نیک ہے، آپ وزیر کریم صاحب کے توسط سے اس خدمت کی اجازت لیں، مگر میں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا جب تک کہ میں اپنے والدین سے نہ پوچھوں۔ چنانچہ دربارِ عالی سے اس کام کیلئے فرمان مکتوب صادر ہوا اور ہم کراچی سے ہونزا کی طرف براہِ چترال روانہ ہوگئے۔ ہونزا میں ماں باپ سے بخوشی مجھے اجازت مل گئی۔

چنانچہ ہم ہونزا سے سریقول (چین) روانہ ہوگئے اور ۱۳؍فروری ۱۹۴۹ء کو تاشغورغان میں وارد ہوگئے۔ مذکورہ بالا کام کیلئے یہ حضرات نامزد ہوئے تھے: ہونزا سے فتح علی خان صاحب (میں ان کا معاون تھا) یارقند سے موکھی مولابخش صاحب، موکھی ابوسعید خان صاحب اور موکھی یاقوت شاہ صاحب، اور سریقول سے موکھی عاصف جان صاحب، موکھی سلطنت خان صاحب اور سید ادریس خان صاحب۔ چنانچہ ہم نے سریقول میں عرصۂ پانچ ماہ تک کوشش کی لیکن بعض لوگوں میں خوفِ بے جا ہونے کی وجہ سے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر یہ طے ہوگیا کہ میں فرمانِ مبارک لے کر یارقند جاؤں۔[۳۲]

جہاں تک میرے اپنے عالمِ شخصی کا سوال ہے، کراچی میں مَیں نے جو ابتدائی روشنی دیکھی تھی اس میں الحمدللہ زیادہ سے زیادہ ترقی ہوتی گئی اور میرے خواب و خیال میں غیر معمولی انقلاب رونما ہو رہا تھا، چنانچہ تاشغورغان میں ایک رات کو بڑا انوکھا خواب دیکھا جس میں مَیں نے خود کو مقتول پایا۔ میرا سر مشرق کی جانب ایک پکّی دیوار کی کھونٹی سے آویزان تھا اور بدن شمالاً جنوباً زمین پر پڑا تھا، جیسے نمازِ جنازہ کے لئے رکھتے ہیں۔ میں مغرب کی طرف کچھ بلندی پر ایک عجیب قسم کی چمکتی ہوئی فضا میں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میں یعنی میرا شعور بے شمار ذرّات کے درمیان تھا جو چمکتے تھے مگر یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ میں کس ذرّے میں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ میری رُوح ہی کے بے شمار ذرّات تھے اور ان سب کی وحدت میری "انا" تھی۔ پس میں نے ایک طرف زمین پر پڑے ہوئے اپنے قربان شدہ بدن اور دیوار کی کھونٹی سے آویزان سر کو دیکھا اور دوسری طرف فضا میں اپنی رُوح کے بے شمار ذرات کو۔ مجھے اپنی شہادت کا گمان ہوتا ہے اور خوشی ہوتی ہے۔ جب میں بیدار ہوگیا تو دل خود بخود اس کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوا۔ خیال آیا کہ اس میں یا تو جسمانی موت کا اشارہ ہے یا نفسانی موت کا۔ اس کے بعد بھی میں نے دو دفعہ خواب میں اپنی موت کا منظر دیکھا۔ ایک میں کسی شہزادے نے مجھے گولی کا نشانہ بنا دیا، دوسرے میں شاید اُسی نے میرے اوپر ٹرک چلایا۔

مذکورہ خوابوں کا اشارہ یہ تھا کہ میں کسی بھی موت کیلئے تیار ہو جاؤں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں مایوس نہیں ہوا، کیونکہ کچھ دوسرے نورانی خوابوں میں بڑی بڑی بشارتیں بھی ہوتی تھیں۔ تاہم مجھے ہر حال میں موت کیلئے تیار رہنا تھا۔[۳۳]

جیسا کہ یہ طے ہوگیا تھا کہ میں فرمانِ مبارک لے کر یارقند جاؤں، میں

طلا خان اقسقال کے ہمراہ یارقند روانہ ہوگیا۔ اقسقال (اق = سفید، سقال = ڈاڑھی، سفید ریش) ایک ترکی ٹائٹل ہے۔ طلا خان صاحب ایک ہوشمند، متدین اور خیر خواہ شخص تھے، ان کیساتھ ۱۵ر جولائی ۱۹۴۹ء کو سریقول سے یارقند کی طرف روانہ ہوگیا اور ۶ دن کے بعد ہم یارقند پہنچ گئے۔ طلا خان اقسقال نے سب سے پہلے اپنے دولت خانہ میں فرمان خوانی کیلئے اہتمام کیا۔ جس کو سننے کیلئے نزدیک، دور اور بہت ہی دور سے سینکڑوں کی تعداد میں افرادِ جماعت حاضر ہوگئے، جن میں موروثی موکھی صاحبان اور سادات صاحبان بھی تھے۔ اس گاؤں کا نام قرآجاش تھا۔

اقسقال صاحب کے بعد قرانگغو توغراق میں میرے بہت ہی عزیز و مہربان دوست جناب عزیز محمّد خان بای نے جملۂ جماعت کو دعوت دی اور فرمان سنایا گیا۔ موصوف بای (امیر، ثروتمند) کو پروردگارِ عالم نے دولتِ دین اور نعمتِ دنیا سے نوازا تھا۔ ہمارے سریقول پہنچ جانے کے فوراً بعد ان کو یہ خبر ملی تھی کہ ہونزا کے دو دینی خادم اس مقصد کے پیش نظر آئے ہوئے ہیں، چنانچہ انہوں نے کسی انتظار و تاخیر کے بغیر مقامی طرز کی ایک عمارت بنوائی تھی، جس میں جماعت خانہ، مکتب، اور رہائش کیلئے دو کمرے تھے۔

دوسرے چند بڑے گھرانوں میں بھی فرمان خوانی ہوئی۔ ان میں سے ایک گھرانا جناب عندلیب آخون کا تھا۔ یارقند کی اسماعیلی جماعت ایمانی اوصاف میں منفرد اور بیمثال ہے۔ لہٰذا مجھے توقع سے زیادہ کامیابی نصیب ہوئی اور اس خدمت میں عزیز محمّد خان صاحب کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ انکی زرّین خدمات کی تفصیل کیلئے کئی کئی صفحات درکار ہوں گے۔[۳۴]

یارقند پہنچنے کے ۲۰ دن بعد چینی انقلاب (Chinese Revolution) کا آغاز

ہوًا۔ جناب فتح علی خان صاحب کو گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد میں نے انہیں چین میں نہیں دیکھا۔ کچھ دنوں بعد میری بھی گرفتاری اور رہائی کا سلسلہ شروع ہوگیا، لیکن مولا کی نورانی تائید سے جماعتی خدمت کو جاری رکھا۔[۳۵]

خدای بزرگ و برتر کے فضل و کرم سے کامیابی ہی کامیابی ہو رہی تھی، لیکن رشک و حسد کہاں نہیں ہے؟ وہ جگہ کونسی ہے جس میں مخالفت نہ ہو؟ ایسا معاشرہ کہاں ہے جس میں ترقی پسندی اور رجعت پرستی کی رسّہ کشی نہ ہو؟ چنانچہ کچھ حضرات یہ کہنے لگے کہ اس ملک میں جماعت خانہ نہیں ہوسکتا ہے، اس سے مذہب آشکار ہو جائے گا اور جماعت کو تکلیف ہوگی۔ میں نے عاجزانہ گزارش کی، جناب! تعمیرِ جماعت خانہ کا حکم آج سے نہیں بلکہ ۱۹۲۳ء سے ہے جبکہ پیر سبز علی صاحب آپ کی طرف آئے تھے۔ میرے عقیدے کے مطابق جماعت کو جماعتخانہ کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ اگر شروع شروع میں ایسی کوئی بات ہو بھی گئی تو اس کا بہت بڑا ثواب مل جائے گا اور پھر جماعت کا تشخّص سامنے آئے گا اور تعارف ہوگا۔ تاہم وہ صاحبان خوش نہیں تھے۔ انہوں نے بارہا یہ کوشش کی کہ مجھے جاسوس قرار دے کر حکومت سے کوئی بڑی سزا دلائیں۔ لیکن چین کی گورنمنٹ تحقیق و جستجو اور ثبوتِ جرم کے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتی۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ ایسے دو قسم کے مخالفین نے جب بھی میرے خلاف رپورٹ کی تو مجھے نظر بند یا قید کیا کرتے تھے، مگر وہ نہ قیدِ بامشقت تھی، نہ ہی جیل کے اندر، بلکہ وہ صرف تنہائی کی قید ہوًا کرتی تھی، جس سے الحمدللہ مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات، عبادت اور ذکرِ دائم کے لئے ایسا بہترین وقت اور موقع ملتا تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اور ہر ایسی قید میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی جو پُرحکمت بارش ہوتی ہے اسکی شکرگزاری میں دل بار بار روتا ہے۔"[۳۶]

امتحانات کا آغاز: بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ یارقند (چین) کا ایک واقعہ ہے کہ جب یہ خاکسار درویش اپنے روحانی انقلاب کے مراحل سے گزر رہا تھا، اسی زمانے میں کسی شام کے وقت گھر میں انفرادی ذکر کے دوران رباب کو چھیڑنے لگا (جس کے چھ تاروں میں سے ایک انتہائی زیر، دو درمیانی زیر، ایک انتہائی بم اور دو درمیانی بم ہوا کرتے ہیں)۔ خداوند تعالیٰ کی قدرت بڑی عجیب و غریب ہے کہ میں نے جب مضراب سے رباب کے تاروں کو چھیڑا تو کچھ تار صاف آواز میں بولنے لگے۔ انتہائی بم نے کہا: "برائے دین، برائے دین" (یعنی دین کی خاطر، دین کی خاطر) اور درمیانی زیر کے دونوں تاروں نے کسی معجزانہ شخصیت کے نام کو دہرایا۔ اس روحانی معجزہ کی دونوں باتوں سے مجھے بدرجۂ انتہا حیرت ہوئی۔ یقیناً اس معجزۂ امام زمانؑ میں عقل مندوں کیلئے بہت سے اشارے موجود ہیں، نیز اس میں میرے مستقبل کے بارے میں کوئی پیشگوئی بھی تھی۔

صبح سویرے میں ٹھیک وقت پر جماعت خانہ گیا، ریاضت اور عبادت حسب معمول ادا ہوگئی اور جماعت کے افراد اپنے اپنے گھروں کی طرف جا چکے تھے، مگر قبول آخوند جو ایک بڑا مومن شخص تھا، وہ میرے پاس جماعتخانے میں آکر کہنے لگا: "غُوجم! (میرے خواجہ!) باہر کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں۔" میں نے اس کے مغموم لہجے اور چہرے سے اندازہ کیا کہ وہ لوگ کچھ اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ میں نے زائد دعا و تسبیح ختم کرلی اور آخری سجدہ بجا لاکر باہر نکلا تو گیٹ کے سامنے مخالفین کا ایک گروہ موجود تھا، جس کی تعداد شاید چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔ یہ لوگ مجھے گرفتار کرنے کی غرض سے آئے تھے، جسکا سبب یہ تھا کہ وہاں ہمارے جانے سے قبل ہماری جماعت پوشیدہ تھی، کیونکہ کہیں کوئی جماعت خانہ نہیں بنا

تھا۔ لیکن ہم نے جیسے ہی کئی مقامات پر چند جماعتخانے بنوائے تو اسی کے ساتھ اسماعیلی جماعت ظاہر ہوگئی، جس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہونے لگی کہ نصیر الدّین کوئی نئی تحریک چلانے کیلئے آیا ہے۔ اس پر مزید مصیبت یہ کہ خود ہماری جماعت کے بعض بڑے لوگ بھی تعمیرِ جماعت خانے کے مخالف تھے، اسلئے وہ میری شدید مخالفت کرتے تھے۔

خداوندِ تعالیٰ اس حقیقتِ حال کا گواہ ہے کہ جب سے مَیں نے امامِ اقدس و اطہر علیہ السّلام کے روحانی معجزات دیکھے تھے، اور جب جب غلبۂ روحانیت کی مستی طاری ہوتی تھی تو اس حال میں مَیں کسی بھی خطرے سے نہیں ڈرتا تھا، چنانچہ مَیں نے بڑی دلیری اور بے باکی کیساتھ اُن کے پارٹی کے لیڈر سے چند سوالات کئے، اور کہا کہ آیا تم نے اسماعیلی جماعت اور جماعت خانے کے خلاف یہ یہ کام کیا ہے یا نہیں؟ وہ بڑی کمزور اور مضطرب آواز میں "نہیں نہیں" بول رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ایک رائفل مین بھی وہاں حاضر ہوگیا، بڑا موٹا اور لمبا جوان تھا، جس کو دیکھتے ہی سب لوگ احتراماً اُٹھ کھڑے ہوگئے، اور ہر شخص نے گرمجوشی سے اس کے ساتھ مصافحہ کیا، میرے ضمیر نے جو شرابِ روحانیت سے سرشار تھا، کسی آواز کے بغیر حکم دیا کہ اگر میری گرفتاری مطلوب ہے تو میں بکری کی طرح نہیں بلکہ شیر کی طرح گرفتار ہو جاؤں، چنانچہ میں اپنی جگہ سے اُٹھا، اور اُس سپاہی یا پولیس کی رائفل کو سنگین کے سامنے سے انتہائی سختی کے ساتھ پکڑ کر چھین لینے کی کوشش کی، اور قریب ہی تھا کہ رائفل میرے ہاتھ میں آئے۔ لیکن جب ان لوگوں نے یہ بڑا خطرناک منظر دیکھ لیا، تو فوراً سب کے سب مجھ پر حملہ آور ہو گئے، اور بڑی مشکل سے بندوق میرے ہاتھوں سے چھڑا لی گئی، مجھے یہ واقعہ عجیب لگتا ہے کہ مجھ میں اتنی زبردست طاقت کہاں سے آگئی؟ جس سے مقابلہ کرنے کیلئے اتنے سارے

آدمیوں کی ضرورت ہو! اور یہ بھی بڑی حیرت کی بات ہے کہ اگر رائفل ہاتھ آتی تو میں اس سے کیا کرتا! میرا کوئی منصوبہ ہی نہ تھا۔

حملہ کرنے والوں نے بندوق کا مسئلہ حل کر کے فوراً ہی میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر باندھ لئے، اب میں دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو چکا تھا، وہ مجھے اپنے مقام سے کہیں دور لے جانے والے تھے، راستے میں ایک نابکار آدمی نے (جو انقلاب سے پہلے میرے روحانی بھائی اور دوست عزیز محمّد خان کا نوکر تھا) میری پُشت پر لات ماری اور گستاخی کی، لیکن دوسرے لوگوں نے اس حرکت کی مذمّت کرتے ہوئے منع کیا، آپ باور کریں گے کہ اُس وقت میرا بدن اضافی روحوں کی طاقت سے بھرپور تھا، لہٰذا ایسی کوئی چوٹ اثر انداز تو نہیں ہو سکتی تھی، تاہم نجانے مَیں نے کیونکر اپنے آقا سے اس گرفتاری اور اہانت کی شکایت کرلی، جس کے جواب میں ایک مقدس اور پُر جلال آواز نے فرمایا کہ: "تم صبر کرو تمہارے نہیں میرے ہاتھ باندھ لئے ہیں۔" سبحان اللہ! یہ کتنی بڑی عنایت ہے۔

ہماری مقامی جماعت شاید اس مشکل مسئلہ کے حل کیلئے سوچ رہی تھی، مگر قبول آخوند جیسے عاشق کو کہاں صبر ہو سکتا تھا، وہ تو جان کی بازی لگا کر اُن لوگوں کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

دریائے زرافشان کے اس طویل پُل کے قریب (جہاں سے یارقند کا راستہ قراغالیق اور ختن کو جاتا ہے) مجھے ایک کھمبے کے ساتھ باندھا گیا، میں بار بار "اللہ اکبر" اور "یا علی" کے حوصلہ مندانہ نعرے لگاتا رہا، اور دل میں خوف و ہراس جیسی چیز کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں تھی، ہرچند کہ رسّی کی سخت بندش کے سبب سے ہاتھوں کی انگلیوں کے سِروں سے خون ٹپکنا چاہتا تھا، مگر صبر و ہمت کا روحانی معجزہ تھا، یہ بھی ایک آزمائش تھی کہ اس دوران مجھے شدت سے پیاس لگی تو میں

نے پانی مانگا، لیکن اہلِ کربلا کی طرح مجھے پانی سے محروم رکھا گیا، بیچارہ قبول آخوند اپنے بیمثال جذبۂ جان نثاری کے تحت میرے پاس آنا چاہتا تھا، مگر مخالفین پتھراؤ کر کے اُسے ہٹا رہے تھے، اور وہ بھی جواباً اُن پر سنگ باری کرتا تھا۔

تقریباً چار یا تین گھنٹے تک یہ درویش اس جان گداز ستون کے ساتھ باندھا ہوا رہا، درین اثناء مخالفین نے وہاں سڑک کے بیگار (رجاکی) کرنے والے بہت سے لوگوں سے ساز باز کر کے میرے قتل کے لئے حکومت کو درخواست لکھ دی، پھر کچھ لوگوں نے مجھے پُل کے پار ایک پولیس چوکی کے حوالے کر دیا، جہاں مجھے زندگی میں دوسری دفعہ گالی گلوچ اور ضربِ خفیف کا تجربہ ہوا، لیکن پوچھنے پر جب میں نے اپنی داستانِ ظلم وستم اُن کو سنا دی تو بظاہر وہ خاموش ہو گئے۔

پت جھڑ کا موسم تھا، اس لئے رات طویل، بڑی ٹھنڈی، اور وحشت ناک تھی، مگر مومنین اور مجاہدینِ اسلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات ہوا کرتے ہیں، چنانچہ اس ابتلا وامتحان کے دوران عالمِ روحانیت کی آوازیں اس ناچیز درویش کے ساتھ گفتگو کر رہی تھیں، اس حال میں مجھے یوں تصوّر ہونے لگا کہ گونا گون آوازوں اور صداؤں کا ایک طوفانی فوارہ یا ستون میری ہستی سے بلند ہو کر کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، اسمیں وہ غضبناک آوازیں بھی شامل تھیں، جو بموجبِ قرآن دوزخ والوں کیلئے مقرّر ہیں، اور وہ رحمت آمیز آوازیں بھی، جو اہلِ جنت کو نوازنے کیلئے ہوتی ہیں، نہ معلوم میں نے یہ بچگانہ گستاخی کس طرح کی اور کہا کہ: اے روحوں کے سردار! اب اسی وقت جبکہ آپ پوری کائنات سے مخاطب ہیں تو فرصت ہی کہاں کہ آپ مجھ ناچیز سے کچھ خطاب فرمائیں۔ سو پاک آواز فرمانے لگی کہ ایسا ہرگز نہیں، ہمیں ہر وقت فرصت ہی فرصت ہے۔ اور آناً فاناً مرکز سے پاکیزہ اور شیریں آواز کی ایک شاخ پیدا ہو کر مجھ سے مصروفِ گفتگو ہونے لگی، درحالیکہ مرکز

کسی فرق کے بغیر اپنا کام کر رہا تھا۔

جب صبح کا وقت ہو چکا تو مجھے واپس یارقند شہر کی جانب چلایا گیا، اور درمیان میں کسی دفتر میں رُکنا پڑا، شام کا وقت ہو چکا تھا، وہ موقع ہی ایسا تھا کہ اکثر اوقات روحانیت کے عظیم معجزات اور اسرار کا مشاہدہ ہوتا تھا، چنانچہ وہاں انگلیوں کے معجزے نمایاں تھے، اس کا اشارہ یہ ہؤا کہ جس طرح خدا کے دوستوں کی زبان کو تائید حاصل ہوتی ہے، اسی طرح اُن کے ہاتھ کو بھی روحانی مدد حاصل ہو سکتی ہے، کچھ دیر کے بعد گاؤں کی جماعت کے دو مومن حکومت کی طرف سے رہائی کا حکم نامہ لے کر پہنچ گئے، اور خدا کے فضل و کرم سے مَیں بخیر و عافیت واپس گھر پہنچ گیا، جس گاؤں میں میرا قیام تھا، وہاں ہماری جماعت کے صرف ۴۵ گھر تھے، سب نے مل کر متفقہ طور پر حکومت سے درخواست کی تھی کہ ان کے عالمِ دین کو فوراً رہا کر دیا جائے، نیز یہ کہ گاؤں میں حکومت کے ذمّہ دار افسران آ کر تفتیش کریں کہ تاجیک جماعت پر یہ ظلم و زیادتی کیوں ہو رہی ہے۔

لفظِ "تاجیک" تازی (عربی) کا مغیر ہے، جو چین، روس، اور افغانستان میں اسماعیلیوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، القصّہ مقامی حکومت کے سنٹر سے کچھ ذمّہ دار افسران ہمارے گاؤں "قرانگغو توغراق" آ گئے، جنہوں نے مسلسل نو (۹) دن تک واقعات و حالات کی تحقیقات کی، اور نتیجے کے طور پر یہ حکم صادر کیا گیا کہ تاجیک (اسماعیلی) اپنے مذہب کے معاملے میں آزاد ہیں، وہ دوسروں سے جماعتی طور پر الگ ہیں، ان کے جماعت خانے کی بے حرمتی اور جماعتی سکول پر قبضہ کرنے کی کوشش سراسر ظلم و ناانصافی ہے، اور اگر کوئی شخص اس حکم کے باوجود ان کے عقائد کو نقصان پہنچاتا ہے تو حکومت اس سے خبر لے گی۔[۳۷]

اس واقعہ کے بعد اسماعیلی مذہب جو اس وقت تک پوشیدہ تھا، آشکارا

ہوگیا اور سرکاری طور پر اس کے خصوصی تشخّص کو تسلیم کیا گیا۔ اس کے ساتھ روحانی عجائب و غرائب اور معجزات میں اضافہ اور امتحانات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ جب کبھی میرے خلاف رپورٹس گورنمنٹ کو پیش کی جاتی تھیں، مجھے قید کیا جاتا تھا اور جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے رہا کیا جاتا تھا۔ اس دوران مَیں مختلف طریقوں سے خدا کو کثرت سے یاد کرتا تھا اور دنیا اور اس کی ہر چیز سے دل برداشتہ ہوگیا تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ مَیں یارقند کی قید میں تھا، [وہاں سے مجھے کاشغر لایا گیا۔] ۱۹۵۱ء کا زمانہ تھا کہ موت سے متعلق میرے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کر دینے کے لئے حضرتِ عزرائیل علیہ السّلام اور اس کی افواج آگئیں۔ پہلے لشکر پھر سردار، عزرائیلؑ کا وجود صرف ایک آواز میں، اس کا فعل ایک اسمِ الٰہی میں، اور اس کا حکم بصورتِ ذکر تھا، اسکی افواج انتہائی چھوٹے چھوٹے روحانی ذرّات کی شکل میں تھیں، سالارِ اعلیٰ کان میں رہ کر اسمِ بزرگ کا ذکر کرتا رہا اور اس کے لشکر جسم کے تمام خلیات میں داخل ہو کر اُس غریب کی جانِ حقیر کو اوپر کی طرف کھینچنے لگے۔

قبضِ روح کا یہ عمل شب و روز جاری تھا اور تقریباً ایک ہفتہ تک چلتا رہا، جس میں سر کو چھوڑ کر بدن باقی تمام اعضاء کے ساتھ بار بار مر کر پھر زندہ ہو جاتا تھا، اور سر کلّی طور پر اس وجہ سے نہیں مر رہا تھا کہ روح اگرچہ چوٹی کی جانب سے بلند کی جاتی تھی، لیکن اس کا زیرین سرا دماغ سے وابستہ رہتا تھا، تاکہ وہ جو کچھ ہو رہا ہے اُس کا بخوبی مشاہدہ کر سکے۔ بہرکیف یہ میرے عالمِ شخصی (پرسنل ورلڈ) کا روحانی انقلاب تھا، جس کی سختی جیسی مجھ پر گزری، وہ قیامت سے کم نہ تھی، ایسے میں حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن کے درمیان جو پردہ ہے، اس کو یاجوج و ماجوج چاٹ چاٹ کر ختم کر لیتے ہیں، یاجوج و ماجوج لشکرِ عزرائیلی میں شامل ہیں، اور اس پردے کا کوڈ ورڈ (code word) سدِّ سکندر ہے۔

اب اس موت اور انقلاب کے بعد میرے اندر کی دنیا یکسر بدل گئی، کیونکہ میں مرچکا تھا، مگر زندہ تھا، تعجب ہے کہ مَیں اُس کورس کے دوران گویا جسم اور روح کے درمیان تھا، یہی وجہ تھی کہ مَیں دونوں کو دیکھتا اور سنتا تھا، کیونکہ اس حال میں حواسِ ظاہر اور حواسِ باطن ملکر کام کرتے ہیں۔[۳۸]

اب روح کے گونا گون ظہورات ہوتے تھے۔ مثلاً روح کا ظہور ذرّہَ لطیف میں، آواز میں، روشنی میں، خوشبو میں، خیال میں، خواب میں، جسمِ لطیف میں، وغیرہ، ان سب میں روح کے دو دیدار عظیم ہیں۔ ایک جسمِ لطیف ہے اور دوسرا مشاہدہَ خاص۔[۳۹]

جسمِ لطیف سے مراد علّامہ بزرگوارؒ نے حضرتِ حجتِ قائم مولانا امام سلطان محمد شاہ، فداہٗ ارواحنا، کے ظاہری نورانی دیدار کو لیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کے وقت آپؑ عجیب طرح سے میرے گھر آئے۔ آپؑ برق ہیں اس لئے برق رفتاری سے تشریف لائے اور اسکے زیرِ اثر اندر سے بند کئے ہوئے دروازے بڑی سرعت سے کھل کر بند ہوگئے۔ میں سخت حیرت زدہ اور مرعوب ہوگیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم کو دروازوں کے اس طرح کھل کر فوراً بند ہو جانے سے تعجب ہو رہا ہے۔ لو میں دوبارہ یہ عمل کرتا ہوں۔ پس آپ بجلی کی طرح باہر جا کر واپس آئے اور دروازوں پر وہی حالت گزری۔ حضرتِ حجتِ قائمؑ انتہائی فصیح بُرشسکی میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپؑ نے اپنی ہستی کی صفتِ دیدنی و نادیدنی کا بھی مظاہرہ کیا۔ عزیز محمّد خان بای کے بارے میں کوئی بشارت دی۔ حضرتِ حجتِ قائم کے ہالۂ نور کی کیا تعریف کریں مختصر بات چیت کے بعد آپؑ اسی رفتار سے واپس تشریف لے گئے۔[۴۰]

مشاہدہَ خاص سے مراد علّامہ بزرگوارؒ کے نزدیک صاحبِ جثۂ ابداعیہ یا

حضرتِ قائم القیامت ع س کا ظاہری نورانی دیدار ہے، بزرگوار ق س فرماتے ہیں کہ آخری مرتبہ جب میں قید ہوا تو قید خانے میں اتفاق سے آخری چلہ مکمل ہوگیا، جس میں بے شمار عجائب و غرائب کا مشاہدہ ہوا جن کا بالترتیب بیان میرے لئے غیر ممکن ہے۔ ایک دفعہ رات کے پہلے حصّے میں دروازہ غیر معمولی دھماکہ کے ساتھ کھل گیا اور اسی آن وہ بند بھی ہوگیا اور حضرتِ قائم علینا سلامہٗ میرے سامنے تشریف فرما ہوگئے۔ اس مقدس دیدار میں حضرتِ قائم القیامت ع س مُبدِع کی حیثیت میں چشمِ زدن میں عملِ اِبداع سے ایک مُبدَع کو پیدا کیا۔ اسی معجزانہ تجربے کے بارے میں بزرگوار ق س فرماتے ہیں:

مَیں اس میں؟ کہ وہ مجھ میں؟ یہ سرِّ قیامت ہے!
ہاں برقی بدن میں تھا جب شاہِ شہان دیکھا

جب برق سوار آیا تب باب کھلا از خود
مَیں مر کے ہوا زندہ جب شاہِ زمان دیکھا [۴۱]

بزرگوار ق س فرماتے ہیں کہ اس عظیم ترین دیدار میں کلام نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف وحی (اشارہ) ہوتی ہے، چنانچہ آپؑ کے ایک دستِ مبارک میں سنگین کیساتھ رائفل اور دوسرے دستِ مبارک میں ایک ٹارچ تھی، یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ وہ حاملِ نور بھی ہے اور صاحبِ جنگ بھی۔ میری حالت خوف و حیرت سے دگرگون ہوئی اور میں عجیب قسم کی موت کا شکار ہو رہا تھا، مگر کتنی اعلیٰ موت تھی کہ اس کی برکت سے مجھے ابدی زندگی مل گئی۔ اَلحَمدُ للہ اس غیر معمولی واقعہ کی یاد میں یہ شعر کہا گیا ہے:

زِندانہ اُیم یادجہ مُوّ بیلٹہ تِلاالجسم
جنّت نکہ آر دِین نمی زِندانُ لوئیڈم

ترجمہ: اب قید خانے کی شیرین یاد کو کیسے فراموش کروں ۔ محبوبِ حقیقی میرے لئے جنت لے کر آئے اور تشریف لے گئے ۔ یہ (معجزہ) میں نے زندان میں دیکھا ۔[۴۲]

بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ حضرتِ قائم القیامتؑ کا جثۂ ابداعیہ میں ظاہری نورانی دیدار عطا فرمانا عظیم ترین دیدار ہے کیونکہ اس میں فنا فی اللہ و بقا باللہ کے تجربے کے بعد گویا عارف کو اپنا دیدار ہوتا ہے یعنی اسمیں عارف کو قائم القیامتؑ کا مثل بننے کا بالفعل تجربہ ہوتا ہے ۔ اس کے بعد عارف کا اپنا کام مکمل ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کی خاطر جیتا ہے ۔[۴۳]

ملکِ چین میں آپ کو اور بہت سے ذیلی معجزات ہوئے جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے :

۱۔ قرانگغو توغراق جماعت خانے میں دیواریں، فرش اور سیلنگ کا "یا علی مولا علی سلطان محمد شاہ علی" کا ذکرِ جلی کرنا۔

۲۔ قرانگغو توغراق جماعت خانے میں روحانی زلزلہ کا تجربہ ۔

۳۔ قرانگغو توغراق جماعت خانے کے گرداگرد روحانی لشکر کا طواف کرنا۔

۴۔ غیر مرئی گھوڑے کا فراٹے لینا ۔

۵۔ آتشِ سرد کا معجزہ ۔

۶۔ یو۔ ایف۔ اوز کا معجزہ ۔

۷۔ روحانی ریڈیو کا بجنا ۔

۸۔ عبدالاحد کا آسمان کی طرف اشارہ ۔

۹۔ فاختہ جیسے پرندوں کا جماعت خانے کی طرف بلانا اور ان سے رعب طاری ہونا ۔

۱۰۔ ایک مرغے کا قریب کے گاؤں والوں سے کچھ کہنا ۔

۱۱۔ رباب کا کلام فرمانا۔
۱۲۔ وہ نورانی خواب جس میں حضرتِ اعظم الائمہؑ کو سفید اونی ہونزائی چوغہ میں دیکھنا جس میں مولا کے چوغے کے باہر اور اندر دونوں طرف میڈلز تھے۔ مولا نے فرمایا کہ باہر کے میڈلز ہمارے ظاہری عملدار ہیں اور اندر کے میڈلز باطنی عملدار۔ پھر مولا نے بزرگوار سے فرمایا کہ آپ باطنی عملداروں میں سے ہیں۔[۴۴]

۱۹۵۴ء میں یارقند سے ہونزا روانہ ہونے کے دوران راستے میں معجزات :

۱۔ گھوڑے پر سوار کر دینا۔
۲۔ گھوڑے کا ہَوا میں مستانہ چال سے چلنا۔
۳۔ گھوڑے کے آگے ایک سفید جھلی کا پیدا ہونا۔
۴۔ گھوڑے کا گفتگو کرنا۔
۵۔ گھوڑے کا دریا پر چلنا۔
۶۔ ہَوا کا گفتگو کرنا۔
۷۔ دریا یا ندی کے پانی کا پتھروں سے لگ کر کسی آواز کا نکلنا اور اس میں گفتگو ہونا۔[۴۵]

آخری قید کے بعد بزرگوارؒ کو حکومت نے گھر جانے کی اجازت نہیں دی بلکہ آپ کی بیگم صاحبہ اور تین سالہ بچے سیف سلمان کو ملاقات کیلئے لایا گیا، اور اس ملاقات کیلئے بیس منٹ کا وقت مقرر تھا۔ اس مختصر ملاقات کے بعد آپ کو چین سے ہونزا کی طرف روانہ کیا گیا۔
علّامہ بزرگوارؒ فروری ۱۹۴۹ء کو ہونزا سے چین میں داخل ہوئے اور جون

۱۹۵۴ء کو چین سے نکالے گئے اور واپس قریۂ مسگار ہونزا پہنچ گئے۔ اس لحاظ سے چین میں کُل پانچ سال اور تقریباً چار مہینے کا قیام رہا۔ ملکِ چین میں داخل ہوکر نکلنے تک آپکی مثالی پاکیزہ زندگی معجزات ہی معجزات سے گزری خصوصی طور پر ۱۹۵۱ء میں کاشغر میں سات رات اور آٹھ دن کی روحانی قیامت، اپنے مبارک گھر میں حضرتِ اعظم الائمہ، حجتِ قائم مولانا سلطان محمد شاہ، فداہٗ ارواحنا، کا جثۂ ابداعیہ میں نورانی کلامی دیدار اور ۱۹۵۴ء میں یارقند کی آخری قید میں حضرتِ قائم القیامت، علینا سلامہٗ کا جثۂ ابداعیہ میں نورانی اشارتی دیدار، جسمیں آپ کو فنا فی اللہ و بقا باللہ کا تجربہ ہوا۔ علّامہ بزرگوارؒ فرماتے ہیں کہ اس تجربے میں حضرتِ قائم القیامتؑ کا دیدار گویا اپنا دیدار ہوتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ عارف کو اُن تمام معجزات کا تجربہ کرایا جاتا ہے جو انبیاء کو کرایا جاتا ہے، نہیں تو وہ صحیح معنوں میں عارف یا خداشناس نہیں ہوسکتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ عارف صاحبِ شریعت نہیں ہوتا اور نبی صاحبِ شریعت ہوتا ہے۔[۴۶]

علّامہ بزرگوارؒ کا چین جانا اور وہاں سے ان عظیم معجزات کے تجربے کے ساتھ لوٹنا یقیناً رسولِ اکرمؐ کی حدیث "اُطۡلُبُوا الۡعِلۡمَ وَلَوۡ بِالصِّیۡنِ" (ترجمہ: علم کو ڈھونڈو اگرچہ اس کیلئے تمہیں چین جانا پڑے[۴۷]) کا روحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے مصداق ثابت ہوا۔ روحانی لحاظ سے ہمیں یقین ہے کہ بہت سے ہمارے بزرگانِ دین اس حدیث کے مصداق ہو چکے ہوں گے جیسا کہ پیر ناصر خسروؒ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں:

بفرمود جستن بچین علمِ دین را

محمدؐ، شدم من بہ چین محمدؐ

ترجمہ: حضرت محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا ہے کہ علمِ دین کو چین میں تلاش کرنا چاہیئے، اس

لئے مَیں حضرت محمدؐ کا چین چلا گیا۔ لیکن علاّمہ بزرگوارؒ کو جسمانی لحاظ سے بھی اس کا مصداق بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔[۴۸]

الغرض علاّمہ بزرگوارؒ علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین کی دولتِ لازوال کے ساتھ جون ۱۹۵۴ء کو ہونزا کے سعادت مند و نیک بخت گاؤں مسگار واپس تشریف لائے اور قیامتی دعوت کا آغاز فرمایا۔ قریۂ مسگار کی سعادتمندی کا کیا کہنا! اس مبارک گاؤں کے بارے میں علاّمہ بزرگوارؒ نے خود ایک مقالہ جو ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۶ء کو تحریر فرمایا ہے، اُسی حکمتوں سے مملو مقالے سے یہاں ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے:

قریۂ مسگار کی روحانی تاریخ یا یوں کہنا چاہیئے کہ اس خوش نصیب گاؤں کے زندہ، انمٹ اور بولتا نامۂ اعمال کا تصور بڑا عجیب و غریب ہے، ایسا لگتا ہے کہ اسمیں روحانیت کے عظیم بھید پوشیدہ ہیں۔ ہم نے اس سے پہلے بھی مسگار کے بارے میں ایسی بہت سی باتیں کہی اور لکھی ہیں، آپ معلوم کرسکتے ہیں، کیونکہ اس تعریف و توصیف کیلئے ایک سبب نہیں بلکہ بہت سے اسباب ہیں۔ مثال کے طور پر اسی گاؤں کے ایک معزز خاندان کا مجھ ناچیز پر بہت بڑا احسان ہے کہ یہ بندۂ کمترین پہلی بار چین جاسکا، جس کے روحانی خزائن اِحاطۂ بیان سے باہر ہیں۔ اسی گاؤں میں سے سب سے پہلے روحانیت کی مشقیں کی گئیں، اسی مقام پر اوّلین بار پاک و پاکیزہ روحوں کی زوردار عبادت کے ثمرات سامنے آئے، یہیں سے ایک روحانی سیلاب اُبلنے لگا اور شرق و غرب میں پھیل گیا اور یہی مسگار برانچ ہے جو چینی اسماعیلیوں کو نہ صرف جغرافیائی اعتبار سے قریب ہے بلکہ زبان و ثقافت کے بعض پہلوؤں کے لحاظ سے بھی نزدیک ہے اور یہ بات قابلِ رشک ہوسکتی ہے۔[۴۹]

جیسا کہ بزرگوارؒ نے قریۂ مسگار کے بارے میں فرمایا کہ اسی مقام پر روحانی

مشقوں کا آغاز ہوا اور یہیں سے ایک روحانی سیلاب ابلنے لگا اور مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔ چنانچہ بزرگوارؒ نے ہونزا واپس آنے کے بعد روحانی مشقوں اور جماعت میں وعظ و نصیحت کیساتھ کئی ایک اصلاحی کاموں کا آغاز فرمایا، مثلاً والنٹیرز کی تنظیم اور لڑکیوں کی تعلیم کا آغاز اور اس کیساتھ کچھ عرصے تک گلگت میں ہوسٹل میں مقیم اسماعیلی طلبہ اور جماعت کو تعلیم و تربیت اور وعظ و نصیحت سے مستفید فرمانا۔

نورِ امامت کی شان میں بزرگوارؒ نے جو مناقب لکھے تھے وہ توسفرِ چین سے پہلے ۱۹۴۰ سے جماعت میں رائج ہو چکے تھے، جن میں خود آپ کے فرمانے کے مطابق زیادہ سے زیادہ امامِ اقدس و اکرم کی عقیدت و محبت اور تعریف و توصیف کا رنگ جھلکتا ہے اور چین سے واپسی کے بعد کی نظموں میں رمز و کنایہ کی زبان میں روحانی مشاہدات اور ہادیٔ برحق کی روحانیت و نورانیت کے بھیدوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[۵۰]

اب قیامتی دعوت کی منطقی اور استدلالی صورت میں وضاحت کے لئے بزرگوارؒ نے نثر کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس سلسلے میں سب سے پہلی کتاب "سلسلۂ نورِ امامت" کے نام سے ۱۰ ؍ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق ۳ ؍ دسمبر ۱۹۵۷ء چھپ کر منظرِ عام پر آگئی۔ "سلسلۂ نورِ امامت" دعوتِ حق کے اہم مضامین، حدود شناسی، امام شناسی اور قائم شناسی اور دوسرے متعلقہ مضامین کے ساتھ نورِ امامت کی تعریف و توصیف میں تین فارسی اور دو ترکی نظموں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا مکمل عنوان ہے: "کتاب فتحِ بابِ گنجِ سعادت یعنی سلسلۂ نورِ امامت"، یہ کتاب یقیناً "فتحِ بابِ گنجِ سعادت" ہے۔ جو مومن کمالِ یقین سے اس کتاب کو کماحقہ پڑھے اور سمجھے گا اس کیلئے بغیر کسی شک و شبہ کے گنجِ سعادت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس میں امام شناسی کے ساتھ ساتھ قائم شناسی کی بھی دورِ قیامت میں ظاہر شدہ

آفاقی وانفسی آیات کی روشنی میں وضاحت کی گئی ہے، جو دینِ حق کی سب سے مشکل اور آخری درجے کی تعلیم ہے۔ اس کتاب میں دینِ حق میں حضرتِ قائم القیامتؑ کی مرکزی حیثیت کی وضاحت اور انکی بابرکت شناخت کرائی گئی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

جوهرِ روحِ مقدس گوهرِ امرِ الٰه
نائب و فرزند سلمان نور مولانا کریم[۵۱]

ترجمہ: روحِ مقدس کے جوہر اور امرِ الٰہی کے گوہر نور مولانا شاہ کریمؑ حضرتِ سلمانؑ کے خلیفہ اور فرزند ہیں۔ اس پُرحکمت شعر میں امام شناسی اور قائم شناسی دونوں کی تعلیم دی گئی ہے۔

یہ کتاب حضرتِ علّامہ بزرگوارؒ کی جملہ تصانیف کی اساس و بنیاد ہے، یہ اس لئے کہ علّامہ بزرگوارؒ کوئی ایسے مصنف نہیں ہیں کہ مشق کرتے کرتے اُن میں علمی پختگی پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے اُنکی شروع کی کتابوں کی بہ نسبت بعد کی کتابوں کو زیادہ اہمیت دی جائے، بلکہ ان کی مثالی پاکیزہ زندگی میں جن روحانی واقعات کا ذکر ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ علم کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں، اسلئے یہاں صرف مرتبۂ حق الیقین کے حقائق کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی بات ہے۔ اس لئے حقائق کے لحاظ سے آپ کی ابتدائی اور انتہائی کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی تدریجی فرق ہے تو وہ سمجھنے کے لحاظ سے نہیں بلکہ سمجھانے کے لئے ہے۔ اس لئے بزرگوارؒ کی بعد کی کتابوں کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کو دقت کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد بزرگوارؒ نے ۱۹۶۱ء میں اپنی بُرشسکی نظموں کا مجموعہ "نغمۂ اسرافیل" کے عنوان سے چھپوا دیا۔ ان نظموں نے واقعاً صورِ اسرافیل کا کام کیا۔ ان نظموں سے

جماعت میں بالعموم اور بُرشسکی بولنے اور سمجھنے والی جماعتوں میں بالخصوص ایک روحانی انقلاب برپا کیا۔ ان نظموں کی روحانی اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے یہ کافی سے زیادہ ہے کہ مولانا حاضر امام شاہ کریم الحسینی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام، نے ۹؍اکتوبر ۱۹۶۱ء کو کمالِ مرحمت سے ان کو شرفِ قبولیت بخش کر ایک مبارک تعلیقہ کے ذریعے "گنان" کا مرتبہ عطا فرمایا[۵۲] گنان برصغیر پاک و ہند میں اسماعیلی دعوت کی اصطلاح ہے جو ان نظموں کیلئے استعمال ہوتی ہے جو کسی "پیر" یا کسی امام شناس بزرگ نے لکھی ہیں۔

اس کے بعد ۱۵؍جون ۱۹۶۲ء میں بزرگوارؒ نے اپنی قیامت خیز کتاب "میزان الحقائق" چھپوا دی، جس میں ایسے مضامین سے بحث فرمائی ہے جو اس سے پہلے کسی کتاب میں ان کا ذکر تک نہیں آیا ہے، مثلاً: "مردہ ایٹم اور زندہ ایٹم"، "ایٹمی دَور روحانی دَور سے ملا ہے"، "اڑن طشتری یا اور کوئی نام" وغیرہ۔

اسی سال یکم جولائی ۱۹۶۲ء کو اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان سے منسلک ہوئے[۵۳] اور ۳۰، جون ۱۹۷۷ء تک اسی جماعتی ادارے سے منسلک رہے[۵۴]۔ اس دوران بزرگوارؒ نے کئی ایک واعظین کی درس و تدریس کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت فرمائی، اہم مضامین پر لیکچرز دئے اور مقالات لکھے جو اسماعیلیہ ایسوسی ایشن کے چاندرات بلیٹن اور بعد میں اسماعیلی بلیٹن میں چھپتے تھے۔ آپکے ان مقالہ جات کا مجموعہ "شہدِ بہشت" کے نام سے چھپ گیا ہے۔ ۱۰؍جون ۱۹۷۲ء کو جب اسماعیلیہ ایسوسی ایشن نے شمالی علاقہ جات کی علمی اور روحانی ترقی کے لئے گلگت میں ایک شاخ قائم کی تو آپ کو اس کا انچارج مقرر کیا گیا[۵۵]۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات اور ساتھ ساتھ رات دن کی محنتِ شاقہ سے قلیل عرصے میں واعظین کا ایک لشکر تیار ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ علمی ترقی کے لئے کتابوں کے مطالعے کی

اہمیت کے پیش نظر جماعت کے تعاون سے ایک لائبریری قائم کی جو اپنے وقت میں دینی علوم کے لحاظ سے اس علاقے کی سب سے بڑی لائبریری قرار پائی۔

اس سے پہلے بزرگوارؒ کی سرپرستی میں دارالحکمۃ الاسماعیلیہ ۹ رمحرم ۱۳۸۳ھ / ۲ رجون ۱۹۶۳ء کو بزرگوارؒ کے اپنے خوش نصیب اور بابرکت گاؤں حیدرآباد (ہونزا) میں جناب غلام محمد بیگ صاحب مرحوم کی صدارت میں وجود میں آیا تھا۔[۵۶] شروع میں اس کی توجہ مذہبی تعلیم پھیلانے پر مرکوز تھی۔ مولانا حاضر امامؑ نے اس ادارے کی کارکردگی کی رپورٹ پر ۴ راکتوبر ۱۹۶۶ء کو ایک مقدس تعلیقہ میں انتہائی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور اس کے ممبروں کو اپنی بے نہایت شفقت و محبت آمیز پدرانہ اور مادرانہ برکات سے نوازا۔ اس مقدس تعلیقہ میں مولا کی شفقت و محبت کی ایک نرالی شان یہ بھی ہے، کہ دارالحکمت کے لکھنے میں سیکریٹری نے کچھ غلطی کی تھی، اس کو مولا نے از راہِ مرحمت اپنے قلم مبارک سے درست فرمایا ہے۔ امامِ زمان کی خوشنودی اور مبارک دعا سے دارالحکمۃ الاسماعیلیہ کی توقعات سے کہیں زیادہ ترقی ہوئی۔ تصنیفات اور تراجم کا مرحلہ پیش آیا تو طباعت و اشاعت کی سہولتوں کی خاطر اس کو کراچی منتقل کیا گیا اور جناب فتح علی حبیب صاحب کو صدر بنایا گیا۔ کراچی میں دارالحکمۃ الاسماعیلیہ نے نہایت ہی غیر معمولی اور معجزانہ رفتار سے تصنیف و تالیف اور اشاعت کا کام جاری کیا۔ اسی ادارے سے سب سے پہلے "مفتاح الحکمت" کی کتاب چھپ گئی اور ۱۹۷۲ء تک اسی نام سے اس ادارے سے کتابیں چھپتی رہیں۔ اس کے بعد اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان کی درخواست پر کہ یہ نام مولانا حاضر امام علیہ السّلام جو تحقیقی ادارہ قائم کرنے والے ہیں، اس کیلئے چھوڑ دیا جائے تو بزرگوارؒ نے دارالحکمۃ الاسماعیلیہ کی جگہ "خانۂ حکمت" نام رکھ دیا۔

۱۹۷۷ء میں بزرگوارؒ کو احساس ہوا کہ آپ کے پاس علومِ روحانیت کے

جو نورانی خزائن ہیں ان کو کتابی شکل دینے کیلئے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔ اس لئے اسی سال ۳۰؍ جون کو اسماعیلیہ ایسوسی ایشن سے مستعفی ہو گئے اور یکسوئی کے ساتھ ان نورانی خزائن کو کتابوں کی صورت میں جماعت اور دنیائے انسانیت کو پہنچانے کے لئے شب و روز کام میں لگے رہے۔

اسی سال بزرگوارؒ کو شرقی کنیڈا کے اسماعیلیہ ایسوسی ایشن نے روحانیت اور قرآن پر لیکچرز دینے کیلئے دعوت دی۔ موصوف ۷؍ دسمبر ۱۹۷۷ء کو کناڈا کے شہر ٹورانٹو پہنچے اور ۲۷؍ مارچ ۱۹۷۸ء کو کراچی واپس تشریف لے گئے۔[۵۷] اس دورے میں بہت سے روحانی اور علمی معجزات ہوئے۔ بزرگوارؒ بغیر کسی یادداشت کے گھنٹوں لیکچر دیتے تھے جس سے جماعت کو بڑی حیرت ہوتی تھی کہ دنیا میں ایک ایسی معجزاتی ہستی بھی ممکن ہے۔ پھر ہر گونہ سوالات کئے جاتے تھے جن کے تائیدی علم کی روشنی میں بروقت تسلی بخش جوابات دئے جاتے تھے۔ سب سے اہم کام یہ ہوا کہ اس وقت مختلف یونیورسٹیوں مثلاً میکگل، ٹورانٹو، کچنر، واٹرلو وغیرہ کے طلبہ بزرگوارؒ کے ہر لیکچر پر پہنچ جاتے تھے اور وہ اپنے علمی معیار کے مطابق سوالات کرتے تھے اور تسلّی بخش جوابات سے ان کو بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ انہی طلبہ نے مل کر بزرگوارؒ کیلئے شکرگزاری کے طور پر ایک ادارہ قائم کرنے کی اجازت طلب کی اور بزرگوارؒ نے اس کا نام Allamah Research Institute and Foundation تجویز فرمایا، جو اب اس کے مختصر سرنامیہ (acronym) "عارف" (ARIF) سے مشہور ہے۔ عارف کے اولین چیرمین جناب شیراز شریف صاحب نے اس ادارے کی کامیابی کیلئے امامِ زمان کی مقدس اور مبارک دعا کے لئے مولا کے حضور میں مہمانی رکھی تھی اور مولا نے اپنی بے پایان رحمت سے کامیابی کیلئے مبارک دعا کے ساتھ ان کے نام مقدس تعلیقہ مرحمت فرمایا تھا۔[۵۸]

علاّمہ بزرگوارؒ روحانی حقائق و معارف کی تعلیم و اشاعت کے ساتھ ساتھ بُرشسکی زبان کی ترقی کی طرف بھی توجہ دیتے رہے۔ بُرشسکی زبان کی خدمت کا آغاز درحقیقت اس وقت ہوا تھا جب ۱۹۴۰ء میں آپ نے اس زبان کی سب سے پہلی نظم لکھی اور پھر آپ کی اہلِ بیت کی مدحیہ اور پھر عارفانہ شاعری نے بُرشسکی زبان کو دنیا کی اُن زبانوں کے صف میں کھڑا کر دیا جو بنی نوع انسان کیلئے حقائق و معارف کا وسیلہ ہیں، اس لئے بزرگوارؒ نے اس زبان میں منظم طریقے پر اشاعت و طباعت کی خاطر ایک ادارہ "بُرشسکی ریسرچ اکیڈمی" کے نام سے ۱۹۸۲ء میں قائم کیا۔ اکیڈمی نے ذاتی طور پر اور بین الاقوامی اور مقامی علمی اداروں، مثلاً ہائیڈلبرگ یونیورسٹی، کیلگری یونیورسٹی، یونیورسٹی آف مونٹریال، اور کراچی یونیورسٹی کی ہمکاری سے بُرشسکی لغت، صَرف و نحو اور ادب پر تحقیق اور اشاعت کا بنیادی اور اہم کام کیا ہے۔

علاّمہ بزرگوارؒ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن سے مستعفی ہونے کے بعد زیادہ فراغت سے روحانی حقائق پر لکھتے رہے اور ایک سو سے اوپر اسرارِ معرفت سے بھرپور کتابیں زیورِ طباعت سے مزین ہو چکی ہیں اور تقریباً پوری دنیا میں اصل اور ترجمہ کی صورت میں پھیلتی جا رہی ہیں۔ ان کتابوں میں وہ خاص علم ہے جو ہمارے زمانے میں سائنسی اور سماجی انقلاب کی وجہ سے جو سوالات پیدا ہوئے ہیں اور جو ہو رہے ہیں، ان سب کے کافی و شافی جوابات مہیا کر سکتا ہے۔ ان کتابوں کا کئی ایک زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، مثلاً انگریزی، فرانسیسی، فارسی، عربی، گجراتی، سویڈش، وغیرہ۔

تائیدِ خداوندی: علاّمہ بزرگوارؒ کا کام نہایت ہی معجزانہ طریقے پر روز افزوں ترقی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ ۲۱؍جون ۲۰۰۱ء

کو ایک نہایت مبارک و مسعود موقع آپ کو نصیب ہوا، جس میں مولانا حاضر امام نے ازراہِ مرحمت و کرامت لندن کے ایک ہوٹل مینڈرین اورینٹل ہائڈ پارک (Mandarin Oriental Hyde Park) میں آپکو پینتالیس سے پچاس منٹ تک خصوصی ملاقات اور ہدایات سے نوازا۔ اس مبارک و مقدس ملاقات کا انتظام جناب اعتمادی شفیق سچیدینا صاحب نے کیا تھا اور آپ ہی مولانا حاضر امامؑ کے ارشادات بھی لکھتے تھے۔ اس مقدس ملاقات میں امام زمانؑ نے اپنی بے پایان رحمت سے لپنے اس غلامِ کمترین (راقم آثم) کو بھی شامل ہونے کے فرمانِ مبارک سے نوازا تھا۔ اس ملاقات میں مولائے زمین و زمان نے گونا گون رحمتوں اور ہدایتوں سے نوازا۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں: مولانا حاضر امام نے آپ سے فرمایا: " We call you Allamah" (ہم آپ کو علاّمہ کہتے ہیں)۔ پھر ارشاد فرمایا: "You work with us and we will work with you" (آپ ہمارے ساتھ کام کریں، ہم آپ کے ساتھ کام کریں گے)۔ اسکے بعد سرکار مولانا حاضر امامؑ نے انسٹیٹیوٹ آف اسماعیلی سٹڈیز کے کام کی مثال دیتے ہوئے فرمایا: انسٹیٹیوٹ کے سامنے ایک بلڈنگ ہے اور اس بلڈنگ کے اندر کیا ہے، اس کو ایک کھڑکی (window) کے ذریعے دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر خداوند مولانا حاضر امامؑ نے اپنا مبارک چہرہ علاّمہ بزرگوارؒ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے اندر کیا ہے وہ دکھانا آپ کا کام ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَنِّہٖ وَاِحْسَانِہٖ۔

قائم شناسی پر زور:

جیسا کہ قبلاً ذکر ہو چکا ہے کہ علاّمہ بزرگوارؒ نے دینِ حق کے دیگر اساسی مضامین کے ساتھ قائم شناسی کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ اپنی کتابِ اولین "سلسلۂ نورِ امامت" میں کیا ہے۔ لیکن چونکہ قائم شناسی حقائقِ عالیہ میں مشکل ترین مضمون ہے اسلئے اس کی تمہید

کے طور پر پہلے حدود شناسی اور بالخصوص "امام شناسی" پر اسی عنوان کے تحت تین جلدیں اور دیگر کئی ایک کتابیں مثلاً ثبوتِ امامت ، قرآن اور نورِ امامت ، وغیرہ لکھیں اور قائم شناسی کیلئے راستہ ہموار کر دیا۔ امامِ زمان علیہ السّلام کی طرف سے اس خصوصی ملاقات کے بعد قائم شناسی اور اس کے مشکل پہلوؤں کی وضاحت کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ قائم شناسی کی تفصیلات کا آغاز "قرآنِ حکیم اور عالمِ انسانیت" سے کیا اور امام شناسی کی طرح قائم شناسی پر بھی تین جلدیں لکھیں اور زیرِ نظر کتاب "نورانی تالاب" کو علاّمہ بزرگوارؒ نے اس سلسلے کی آخری کڑی قرار دی ہے۔

کتاب "نورانی تالاب" لکھنے کا آغاز ۲۵/اگست ۲۰۰۷ء کو سنیچر کے دن اٹلانٹا ہیڈ کوارٹر میں کیا گیا اور ۴/دسمبر ۲۰۱۲ء کو منگل کے دن اوسٹن مرکز میں مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد بزرگوارؒ اپنی بارور زندگی کی آخری کتاب "رایل بنگلوز" جس کا آغاز ۱۳/جنوری ۲۰۱۳ء کو اتوار کے دن اوسٹن مرکز میں کیا گیا تھا، ۸/مئی ۲۰۱۶ء کو سنیچر کے دن ڈالاس مرکز میں مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد رجوعِ مبارک تک چند ایک اور مقالات لکھے اور آخری ایّام میں لیکچروں پر زور دیتے تھے۔

رجوعِ مبارک : ہم مولائے کائنات کے شکر گزار ہیں کہ اسکی بے پایان رحمت سے ہمیں بزرگوارؒ کے آخری ایام میں ان کی مبارک ملاقات اور ہدایات سے فیضیاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کیلئے ہم عالیقدر ظاہر علی پراسلہ صاحب جن کے دولت خانے پر بزرگوارؒ کا قیام ہوتا تھا، کے اور اُن کے محسن خاندان کے ممنونِ احسان ہیں کہ انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ بزرگوارؒ اب زیادہ عرصہ جسمِ کثیف میں اس دنیا میں نہیں رہیں گے، تو بزرگوارؒ سے اجازت لے کر ان کی بابرکت ملاقات کیلئے ہم ناچیزوں کو دعوت دی۔ ہم

نومبر ۲۰۱۶ء کے آخری ہفتے میں اوسٹن میں آپ کے دولت کدہ پہنچے جہاں ہم ناچیزوں کی ہمیشہ مہمان نوازی ہوتی رہی ہے۔ بزرگوارؒ کی بابرکت ملاقات سے فیض یاب ہوئے۔ ۳ر دسمبر ۲۰۱۶ء کو بزرگوارؒ نے جشن منایا اور تاکید فرمائی کہ ان کے رجوع مبارک کے موقع پر کسی بھی غم واندوہ اور جزع و فزع کی جگہ شکرگزاری کا جشن منایا جائے، کیونکہ ربّ العزت نے آپ کو مقصدِ برترین کے حصول کیلئے عالمِ جسمانی کے سفر میں بدرجۂ اَتَمّ کامیابی عطا فرمائی ہے۔ اسی دوران ہمیں امریکہ میں خانۂ حکمت کے دوسرے مراکز کے دورے کا بھی موقع ملا، لیکن ٹیلیفون پر بزرگوارؒ کی ہدایات کا سلسلہ جاری رہا۔ بزرگوارؒ ۸ر جنوری ۲۰۱۷ء کو اتوار کے دن ہاسپٹل میں داخل ہوگئے اور ۱۴ر جنوری ۲۰۱۷ء کو سنیچر کے دن بعد از زوال نو بجکر ۴۴ منٹ پر ہماری آنکھوں کے سامنے جسمِ کثیف کو چھوڑ کر جسمِ لطیف میں منتقل ہوگئے۔ اور حسبِ فرمودۂ پیر ناصر خسروؒ:

دین گرامی شد به دانا و به نادان خوار گشت[59]

یعنی دین دانا کے وجود کی برکت سے باعزت ہو جاتا ہے اور نادان کی وجہ سے خوار۔

آپ نے اپنی ہمتِ عالی سے حظیرۂ قدس یعنی احاطۂ نورِ امامِ زمان تک پہنچ کر براہِ راست امامِ عالی مقام سے علمِ عطائی حاصل کر کے اسماعیلی مذہب کو سب کے سامنے گرامی اور معزز بنا کر راحتِ ابدی اور مسرتِ سرمدی کے ساتھ اپنا کامیاب سفر ختم کیا: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" (۲:۱۵۶)۔

۸ر فروری ۲۰۱۷ء کو جب کہ بزرگوارؒ کے اپنے گاؤں حیدر آباد (ہونزہ) میں تدفینِ مبارک ہونے والی تھی، اس کی رات میں نے ایک نورانی خواب میں

کفنِ مبارک کو دیکھا کہ اُس سے بڑی شان کے ساتھ شعاعیں نکل رہی تھیں اور کفنِ مبارک سے کچھ بلندی پر یہ تحریر دیکھی: "اَلۡمُبۡدَعُ اِلٰی دَارِ الۡاِبۡدَاع"[۶۰]

ہمتِ عالی تری سے جائیں قربان ہم سبھی
عالمِ بالا و پائین کر دیا زیرِ نگین

طاعتِ خالص سے ثابت کر دیا براہلِ حق
بندۂ طائع ہے راز و مثلِ ربُّ العالمین

تیرے نورِ علم سے اب ظلمتِ جہل مٹ گئی
نورِ علمی سے ہوا روشن تمام روئے زمین

حوضِ نورانی یقیناً جامعُ الامثال ہے
کُلِّ نعمت، کُلِّ دولت، کُلِّ راحت ہے یہیں

غرقۂ احسان ترے ہیں سب عزیزانِ جہاں
جن کو بخشی تُو نے ایسی دولتِ دنیا و دین

فقیر حقیر
مرکزِ علم و حکمت، لندن
تحریر: ۲۳رمئی ۲۰۰۸ء
نظرِ ثانی: ۲۰رفروری ۲۰۲۱ء

حواشی

۱۔ راجہ ریاض احمد خان، وادیٔ ہنزہ شمالی علاقہ جات جنت نظیر (گلگت، ۲۰۰۳ء)، ص ۶۷

۲۔ علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائیؒ، دیوانِ نصیری اور بہشتے اسقرگ (کراچی، ۲۰۰۱ء)، ص ۲۸

۳۔ ______، لعل و گوہر (کراچی، ۱۹۹۲ء)، ص ۱۱۱

۴۔ یہ ارشادِ مبارک یقیناً امامِ عالیمقامؑ نے فارسی میں ارشاد فرمایا ہوگا، سرِدست ہمیں یہ مقدس کلمات انگریزی ترجمہ کی صورت میں ملے ہیں۔

۵۔ علی محمد جان محمد چنارا، نورِ مبین حبل اللہ المتین (بمبئی، تاریخ ندارد)، ص ۶۳۱

۶۔ امام سلطان محمد شاہؑ، کلامِ امامِ مبین (بمبئی، ۱۹۵۰ء)، حصّۂ اوّل، ص ۱

۷۔ علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائیؒ، حکمتِ تسمیہ اور اسمائے اہلِ بیت (کراچی، ۱۹۸۹ء)، ص ۱

۸۔ Imam Sultan Muhammad Shah, The Memoirs of Aga Khan (London, 1954), P. 183

ترجمہ: جون ایلیا، اسلام میرے مورثوں کا مذہب (کراچی، ۱۹۹۱ء)، صص ۳۰-۲۹

۹۔ علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائیؒ، قائم شناسی، حصّۂ اوّل، ص ۲۴۲، (مخطوطہ)

۱۰۔ مولانا حاضر امامؑ کا یہ مقدس ارشاد آسٹن شہر میں جناب صدا قنبر صاحب نے خود سنایا تھا۔

۱۱۔ علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائیؒ، میزان الحقائق (کراچی، ۲۰۰۰ء)، صص ۱۰-۱۱؛
______، مفید انٹرویو، (کراچی، ۱۹۹۳ء)، صص ۱۲۷-۱۲۸

۱۲۔ ______، جواہرِ معارف (کراچی، تاریخ ندارد)، ص ۶

۱۳۔ قاضی کمال الدّین میر حسین میبُدی یزدی، شرح دیوان منسوب بہ امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب علیہما السّلام، تصحیح حسن رحمانی و سید ابراہیم اشک شیرین (تہران، ۲۰۰۰ء)، ص ۴۵۷

۱۴۔ عظیم علی لاکھانی، استادِ کامل و مکمّل حضرت علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائیؒ کے عظیم علمی کارنامے (کراچی، ۲۰۱۳ء)، ص ۴

۱۵۔ ______، مفید انٹرویو، صص ۱۲۷-۱۲۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۹

۱۷۔ ایضاً، صص ۱۵-۱۸؛ حاجی قدرت اللہ بیگ، تاریخِ عہدِ عتیق ریاستِ ہنزہ (راولپنڈی، ۱۹۸۰ء)، حصہ اوّل، ص ۱۷۷؛ دیوانِ نصیری، ص ۲۹
۱۸۔ مفید انٹرویو، ص ۲۰
۱۹۔ صوبیدار یوسف علی صاحب جو بزرگوارؒ کے چچازاد بھائی ہیں، کا ایک تحریری بیان
۲۰۔ مفید انٹرویو، صص ۲۳-۲۴
۲۱۔ ایضاً، صص ۲۶-۲۷
۲۲۔ ایضاً، ص ۳۹؛ دیوانِ نصیری، ص ۳۱
۲۳۔ ایضاً، صص ۳۲-۳۳؛ مفید انٹرویو، ص ۴۲
۲۴۔ ______، جماعت خانہ (کراچی، ۲۰۰۲ء)، صص ۱۱۳-۱۱۴؛ مفید انٹرویو، صص ۴۲-۴۳
۲۵۔ ایضاً، ص ۴۵
۲۶۔ دیوانِ نصیری، ص ۳۱۶؛ ______، کوزۂ کوثر (کراچی، ۱۹۹۴ء)، صص ۱۷۹-۱۸۴
۲۷۔ ایضاً، ص ۳۱۸؛ ______، بہشتِ اسقرک (کراچی، ۱۹۸۸ء)، صص ۴۴-۴۶
۲۸۔ ______، دیوانِ نصیری (اردو) (کراچی، ۲۰۰۴ء)، [حصہ اوّل]، صص ۷۵-۷۶
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۱-۱۲
۳۰۔ مفید انٹرویو، ص ۴۳
۳۱۔ ایضاً، صص ۲۸-۲۹، ۴۵-۴۶
۳۲۔ ایضاً، صص ۲۸-۳۰
۳۳۔ ایضاً، صص ۴۵-۴۷
۳۴۔ ایضاً، صص ۲۹-۳۱
۳۵۔ پرسنل ڈائری (غیر مطبوعہ)، صص ۱۵، ۴۳؛ ______، چین کی جماعت کی رپورٹ (غیر مطبوعہ)، ص ۴
۳۶۔ ایضاً، صص ۳۱-۳۲
۳۷۔ جماعت خانہ، صص ۵۹-۶۴
۳۸۔ مفید انٹرویو، صص ۴۷-۴۸

۳۹۔ ایضاً، صص ۴۹

۴۰۔ ایضاً، صص ۴۹-۵۰

۴۱۔ دیوانِ نصیری (اردو)، ص ۷

۴۲۔ دیوانِ نصیری، ص ۳۴۹

۴۳۔ ______، گلہائے بہشت (کراچی، ۱۹۹۰ء)، صص ۱۶۳-۱۶۴

۴۴۔ جماعت خانہ، صص ۹۸-۱۱۰

۴۵۔ ______، ایضاً، صص ۷۹-۸۰؛ قائم شناسی (مخطوطہ)، حصّۂ اوّل صص ۱۷۵-۱۷۹، حصّۂ دوم، آئینۂ قائم شناسی (۷۲)؛ حصّۂ سوم، قرآن اور قائم (۱۰۲)

۴۶۔ ______، عملی تصوف اور روحانی سائنس (کراچی، ۲۰۰۰ء)، صص ۹۵-۹۹

۴۷۔ جلال الدّین سیوطی، الجامع الصغیر (بیروت، ۲۰۱۳ء)، ص ۷۲

۴۸۔ پیر ناصر خسروؒ، دیوان، تصحیح مجتبیٰ مینوی و مہدی محقق (تہران، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۳۰

۴۹۔ گلہائے بہشت، صص ۶۰-۶۹

۵۰۔ دیوانِ نصیری، صص ۳۴-۳۵

۵۱۔ ______، سلسلۂ نورِ امامت (کراچی، ۱۹۵۷ء)، ص ۱۱

۵۲۔ ______، قرآنی مینار (کراچی، ۱۹۸۹ء)، صص ۱۷-۱۸

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۶؛ ______، پرسنل ڈائری، ص ۴۵

۵۴۔ ایضاً، صص ۱۹، ۴۵

۵۵۔ ایضاً، ص ۴۵

۵۶۔ قرآنی مینار، ص ۱۶؛ گلہائے بہشت، ص ۲۴۸

۵۷۔ پرسنل ڈائری، صص ۴۵-۴۶

۵۸۔ ______، قرآنی اور نورِ امامت (کراچی، ۱۹۷۹ء)، صص ۱۱-۱۲

۵۹۔ دیوانِ (پیر ناصر خسروؒ)، ص ۴

۶۰۔ (ترجمہ: مُبْدَع دارالابداع کی طرف)۔ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سے سمجھنے کیلئے دیکھئے: اس مضمون کے صفحات ۲۶-۲۸ "مشاہدۂ خاص" سے لے کر "دوسروں کی خاطر جیتا ہے" تک۔

INSTITUTE FOR
SPIRITUAL WISDOM
&
LUMINOUS SCIENCE
knowledge for a united humanity

9 781903 440773